جنتا پاکٹ بک سیریز نمبر ۵

پٹھان کا پیار

درگا شنکر بھاردواج

آج صبح ہی سے نریندر فیروز کا انتظار کر رہا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں کس قدر تکلیف دہ ہوتی ہیں اس کا احساس اُسے آج ہوا تھا۔ کوئی ایک ہفتہ پیشتر اُسے فیروز کا خط ملا تھا۔ وہ میرپور آ رہا تھا۔ یوں فیروز کا خط آنا تعجب کی بات نہیں تھی، حیرت اُسے اِس بات پر تھی، کہ فیروز میرپور آ رہا تھا ـــــ پہلے تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے بار بار خط کو پڑھا۔ اور جب اُسے یقین ہو چلا، کہ فیروز واقعی میرپور آ رہا ہے تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اور بچپن کی یادوں نے دل کے تاریک ترین گوشوں سے اُبھر کر اس یقین پر اعتماد کی چھاپ لگا دی۔ اب انتظار کی گھڑیاں اُسے ایک ایک پل بھاری لگ رہی تھیں۔

بچپن کی ساری یادیں پردہ فلم کی تصویر کی مانند اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگیں۔ وہ تھا، اس کی چھوٹی بہن کوتیا تھی اور فیروز تھا۔ تینوں اسکول میں پڑھتے تھے۔ فیروز اور نریندر چھٹے درجہ میں تھے اور کوتیا پانچویں درجہ میں۔ ایک ساتھ شرارتیں کرتے، ایک ساتھ کھاتے اور ایک ساتھ کھیلتے تھے۔ اور تینوں دور، بہت دور ـــــ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر، سنگلاخ زمین اور خاردار راہ گزاروں کو پار کرتے، برفیلی چٹانوں کو پاؤں تلے روندتے، اونچی چوٹیوں پر چڑھ جاتے جہاں آسمان پہاڑیوں

مُنہ چُومتا تھا، جہاں بادل اُگتے تھے، سُورج پھُوٹتا تھا اور اپنی رُوپہلی کرنوں سے، سامنے میر پور کو، تمام وادیٔ کشمیر کو منوّر کر دیتا تھا۔ برف کے گولے ایک دُوسرے پر پھینکتے، غُل مچاتے۔ وہ بہت دیر گئے واپس لَوٹتے۔

اسکول سے چھٹی ہوتے ہی فیروز بستہ گھر پر پٹک کر نریندر کے گھر آجاتا اور دونوں دوست کو پتا کے ساتھ مل کر وہ دھما چوکڑی مچاتے کہ اس کے پتا بدری ناتھ کو اخبار بینی کے لئے کمرے کے سارے دروازے بند کرنا پڑتے۔

فیروز کے والد سرکاری ملازم تھے۔ انگریزی حکومت کے نمک خوار ——— ریاست کشمیر میں انھیں انگریزی حکومت نے اعلیٰ اختیارات دے کر بھیجا تھا، اور آج کل اُنھوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر میر پور میں بنا رکھا تھا۔ سنٹرل گورنمنٹ نے اُنھیں واپس بُلا لیا۔ تو فیروز کو بھی اُن کے ساتھ بمبئی آنا پڑا۔

نریندر کو جُدائی کا وہ دن یاد آگیا جب فیروز اُس سے آخری بار ملنے اُن کے گھر آیا تھا۔ نریندر کو اس کی سُوجی ہوئی سُرخ آنکھیں دیکھ کر یہ اندازہ لگاتے دیر نہ لگی، کہ وہ بھی اُن کی طرح سارا دن روتا رہا ہے، اور جب فیروز نے اُس کے پتا بدری ناتھ کے پاؤں پکڑ لئے تو ایک بار پھر نریندر کی آنکھیں چھلچھلا آئیں۔ بدری ناتھ نے اُسے آشیرواد دیا، اور اُس کی درازیٔ عمر کی دُعا مانگی۔ فیروز نے رو رو کر اُن کے پاؤں گیلے کر دیئے۔

نریندر کے پتا نے اُسے اُٹھا کر سینے سے لگایا اور کمر تھپتھپا کر بولے:

"اچھے بیٹے رویا نہیں کرتے ——— خدا تمھیں اپنی برکتوں سے مالا مال کرے ——— بیٹے، خوب کھیلنا اور جی لگا کر پڑھنا ——— اپنے والد کا نام روشن کرنا ———!"

فیروز اُن کی پیار بھری تھپکی پا کر سِسک سِسک کر رونے لگا۔ اور آنسو

پونچھتا ہوا نرینڈر کے کمرے میں آیا، تو وہاں عجیب ہی منظر تھا۔ نرینڈر فیروز کے ٹکٹوں کے البم کو سینے سے لگائے زاروقطار رو رہا تھا۔ اور کویتا صوفہ میں مُنہ چھپائے سِسک رہی تھی۔ فیروز سے یہ منظر دیکھا نہ گیا یہ منظر اُس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا، اُس کا دل اُچھل کر باہر نکلا پڑ رہا تھا۔ اور آنکھیں چھل چھل برس رہی تھیں۔ وہ باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھا تو نرینڈر نے گردن اُٹھا کر کہا۔

"کویتا سے مل کر نہیں جاؤ گے فیروز ؟"

ننھّی کویتا نے آنکھوں سے پلکوں کی چادر اُٹھا کر اُداس اُداس نظروں سے فیروز کی طرف دیکھا اور پھر چہرہ باہوں میں چھپا کر سِسک سِسک کر رونے لگی۔

آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا فیروز کویتا کے پاس آیا۔ اُس کے برابر ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور اپنے ہاتھوں سے اس کا چہرہ اُٹھا کر بھیگی بھیگی نم آلود آواز میں بولا۔

"تو کیوں رو رو کر ہلکان ہوتی ہے کویتا ؟ میں میرپور سے جا رہا ہوں، تمہارے دِلوں سے دُور تو نہیں ہو رہا۔" اور پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر کویتا کے آنسو پونچھے اور کہنے لگی۔" اچھّے بچّے روتے نہیں ہیں دیکھ میں کہاں رو رہا ہوں۔" اور یہ کہتے کہتے اس کا گلا رُندھ گیا۔ آنسوؤں کا سمندر آنکھوں کی باڑھ توڑ کر بہہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے تینوں زار زار رونے لگے۔

فیروز رو رہا تھا!

نرینڈر رو رہا تھا!!

کویتا رو رہی تھی !!!

اور تینوں کو چپ کرانے والا کوئی نہیں تھا۔ جب دلوں کا غبار نکلا ہوا، آنسوؤں کا طوفان تھما، بہتی ہوئی باڑھ قابو میں آگئی، تو تینوں ایک دم چپ ہو گئے۔ سکتہ کا سا عالم چھا گیا تھا تینوں پر۔ جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ ہونٹ بند تھے، زبان خاموش تھی لیکن آنکھیں ہزاروں داستانیں کہہ رہی تھیں۔ جن میں جدائی کی کسک تھی اور ملنے کی تمنا۔

لب ہلے۔ مہین سی آواز سے کمرے کے گہرے سکوت میں ارتعاش پیدا ہوا۔

"میں جا رہا ہوں کویتا!"

"..........."

کویتا کچھ بولی نہیں۔ بھٹکی ہوئی ہرنی کی طرح گردن اٹھا کر اس نے فیروز کی طرف دیکھا اور ایک ٹک دیکھتی ہی رہی۔

"میں جا رہا ہوں نریندر"

"مجھے پتہ ہے" جدائی کی ٹیسوں کے احساس سے نریندر تڑپ اٹھا۔ اور پھر تینوں نے ایک دوسرے کو کبھی نہ بھولنے اور ہمیشہ خط لکھتے رہنے کی قسمیں کھائیں۔ فیروز نے اپنا ٹکٹوں کا البم کویتا اور نریندر کو دے دیا، اور کویتا نے اپنی رنگدار پنسلوں کی ڈبیہ اور اپنی ڈرائنگ کی کاپی جس پر وہ اپنے نرم و نازک چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے رنگ برنگی تصویریں بنایا کرتی تھی فیروز کو دی۔ پھر ملنے کی تمنا کو دل میں چھپائے تینوں ساتھی روتے روتے جدا ہوئے۔

بمبئی آکر فیروز نے اپنے قول کو نبھایا۔ اور نریندر اپنے وعدوں پر قائم رہا۔ دونوں دوستوں میں باقاعدہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کی تصاویر کا تبادلہ بھی ہوتا۔ شروع شروع میں فیروز کے خطوط میں کویتا کا ذکر ہوتا اور وہ اس کی خیر و عافیت بھی پوچھتا۔

لیکن جب اُسے یہ پتہ چلا، کہ کویتا میرپور سے اپنے ماموں کے یہاں دہلی چلی گئی ہے اور اب وہ وہیں پڑھے گی، تو اس کے خطوط میں کویتا کا ذکر یکسر بند ہو گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہن پختہ ہوتے گئے اور اس طرح اُن کے خطوط کا موضوع بھی بدلتا گیا۔ شروع شروع میں تو اُن کے خطوط میں جنوں اور بھوتوں کے قصے، پہیلیاں اور چٹکلے لکھے ہوتے۔ پھر وقت نے کروٹ لی۔ دونوں تھوڑے بڑے ہو گئے۔ خطوط کے ذریعہ نئی فلموں، نئی کتابوں اور بین الاقوامی میچوں پر تبصرہ ہونے لگا۔ اور جب دونوں نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا تو رومان کی ہلکی سی چاشنی کے ساتھ ملک کے پیچیدہ سیاسی مسائل اور بگڑتے ہوئے فرقہ وارانہ حالات پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔

اور بمبئی میں جب فیروز اسٹوڈنٹس فورم اور کئی ٹریڈ یونینوں کا سرگرم کارکن بن گیا، تو نریندر کو یہ اندازہ لگاتے دیر نہ لگی کہ فیروز کا ذہنی رجحان کدھر ہے اور کٹر فرقہ پرست انگریز کے پٹھو باپ کا اکلوتا بیٹا کونسی راہ اختیار کر رہا ہے۔

وقت کا دھارا بڑھتا گیا۔ کئی انقلابات آئے، زمانے نے کئی کروٹیں بدلیں اور اب انگریزی سامراج سے ہندوستان نے آزادی حاصل کر لی تھی، فیروز بھی تعلیم سے فارغ ہو کر کسی اچھی نوکری کی تلاش میں تھا لیکن نوکری حاصل کرنے سے پہلے وہ ایک بار نریندر سے ملنا چاہتا تھا۔ کون جانے کس کی غلامی کرنا پڑے، کہاں نوکری ملے، پھر نریندر سے ملنا ہو نہ ہو۔ اس لئے اس نے میرپور آنے کے لئے چٹھی لکھ دی تھی۔ اور جب نریندر نے جواب میں لکھا تھا، کہ کویتا بھی دہلی سے آ رہی ہے تو بواپسی ڈاک فیروز نے جواب دیا تھا کہ

دروازے پہ کھڑے ہو کر میرا انتظار کرنا، میں ضرور آؤں گا۔

اس خط کو آئے آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ فیروز کو آج آنا تھا اِسلئے آج صبح ہی سے نریندر دروازے پہ کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اتفاق کی بات کہ آج ہی کویتا بھی دہلی سے آ رہی تھی۔

کھڑے کھڑے اُکتا کر جب وہ تھوڑی دیر کے لئے اندر آیا تو باہر تانگہ کی آواز سُنائی دی۔ فیروز کا دھیان آتے ہی وہ باہر کی طرف لپکا۔ تانگہ اُن کے گھر کے عین سامنے آ کر رُک گیا۔ لیکن اس میں فیروز نہیں تھا، کویتا تھی۔ بہن کی آمد سے بھائی کو خوشی ہونا چاہیئے تھی لیکن اس کے چہرے سے حُزن و ملال ٹپک رہا تھا۔ بھائی کی اُداسی کی وجہ کویتا کو پتہ نہ لگ سکی۔ اُسے تانگہ سے اُترتے دیکھ کر جب نریندر نے یہ پوچھا، کہ وہ نہیں آیا؟ تو یکبارگی کویتا چونکی۔ اُس نے عجیب سی پریشان کُن نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر پوچھا۔

"بھیّا کون؟"

"فیروز ـــ!" نریندر بولا۔

"فیروز ـــ!؟" حیرت واستعجاب سے کویتا کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"ہاں فیروز ـــ!" نریندر نے جواب دیا۔ "اُسے بھی آج آنا تھا نہ معلُوم کیوں نہیں آیا!"

جواب میں کویتا کچھ بولی نہیں۔ خیالات کے سمندر میں ڈوبی خاموش خاموش سی اندر چلی گئی۔

کویتا کے چلے جانے کے بعد نریندر کو یاد آیا کہ فیروز کے دُور کے رشتہ

کی ایک خالہ یہیں میرپور میں رہتی تھی۔ شاید وہ پہلے وہیں چلا گیا ہو۔ لیکن وہ اتنا بے مروّت تو نہیں۔ نریندر نے اپنے شک کی خود ہی تردید کر دی نہیں!
وہ سب سے پہلے یہیں آئے گا! ___ کہیں نہیں جا سکتا!'
تو پھر وہ آیا کیوں نہیں؟
گھر میں کویتا کی آمد سے ایک ہنگامہ برپا تھا۔
اور باہر دروازے سے ٹیک لگائے نریندر فیروز کا انتظار کر رہا تھا۔
آخر اُکتا کر اس نے فیروز کی خالہ کے گھر جا کر پتہ لگانے کا فیصلہ کیا
اندر آ کر اس نے کپڑے تبدیل کیے اور جب وہ باہر نکلا تو دور سے ایک نوجوان آتا دکھائی دیا۔ نریندر کی آنکھوں میں ایک دم بجلی سی کوند گئی۔ خوشی سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ خوش شکل، وجیہہ، سڈول جسم والا ایک نوجوان ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں دیئے، دوسرے سے سگریٹ تھامے تیزی سے قدم بڑھاتا اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔
"فیروز!" دیوانہ وار نریندر فیروز کی طرف لپکا۔
فیروز کے آنے کی آواز سن کر کویتا بھی اپنی سہیلیوں کو کمرے میں چھوڑ کر بیٹھک میں آئی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور ٹھٹھک کر اندر چلی گئی۔
دونوں دوست ایک دوسرے سے بغلگیر تھے۔ بچپن کی یادیں، بچپن کی شرارتیں اور بچپن کی باتیں دونوں کی آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی تھیں۔ چہرے مسکرا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ دل خوشی سے مچل رہا تھا اور گلا بھرّایا ہوا تھا۔
فیروز کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر نریندر بولا۔

مجھے یقین تھا دوست! کہ تم ضرور آؤگے۔ لیکن جب بس سٹینڈ سے سالے تانگے آچکے، تو اس یقین پہ شک کی گرد کی تہیں جمنے لگیں، اور میں سوچنے لگا کہ شاید تم نہ آؤ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں اپنے وعدہ کا پکّا ہوں لیکن ۔۔۔"

"لیکن کیا؟" نریندر نے پُوچھا۔

"تم جانتے ہی ہو، خالہ یہیں رہتی ہیں۔ اگر میں اُن کے یہاں نہ جاتا تو وہ بُرا مانتیں۔ میں نے سوچا پہلے خالہ کے نیاز حاصل کروں پھر تمھارے پاس آؤں۔"

"کیونکہ تمھیں یقین تھا کہ میں تو تمھیں معاف کر دوں گا لیکن خالہ سے معافی ملنا مشکل تھا۔ لیکن اِتنی دیر کہاں لگا دی، سامان رکھ کر، آداب نیاز سے فارغ ہو کر تم اب سے بہت پہلے یہاں آسکتے تھے۔ لیکن تڑپانے اور ستانے کی تمھاری پُرانی عادت گئی نہیں۔"

"نہیں دوست! ایسی بات ہرگز نہیں۔ بس ایک عجیب سا حادثہ پیش آگیا تھا!" فیروز کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں تبسم رقصاں تھا۔

"حادثہ ۔۔۔!" حیرت سے نریندر کا مُنہ کُھلا کا کُھلا رہ گیا "ایک حادثہ! ۔۔۔ میں سمجھا نہیں۔"

"اندر چلو ۔۔۔ سب کچھ بتاتا ہوں ۔۔۔ تم سنوگے تو مجھے ہی بے وقوف کہوگے!"

اندر آکر فیروز اور نریندر ایک ہی صوفہ پر برابر برابر بیٹھ گئے۔ سگریٹ سلگا کر فیروز نے ایک بھرپور کش لگایا اور ایش ٹرے اور سگریٹ کی ڈبیہ نریندر کی طرف بڑھا دی۔

"میں نہیں پیتا۔" نریندر نے کہا۔

"رہے نا گاؤدی کے گاؤدی ــــ ارے سگریٹ نہیں پیوگے تو....."

لیکن دروازے پر نریندر کے پتا بدری ناتھ کے قدموں کی آہٹ سن کر فیروز چونکا۔ سگریٹ پاؤں تلے روندھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آداب عرض کرتا ہوں پا پا۔"

"ارے فیروز!" بدری ناتھ بولے "بیٹے تُو تو بہت بڑا ہوگیا ہے خوش تو ہے!"

"مہربانی ہے آپ کی۔"

"اور تمہارے والد اخلاق حسین بھی آئے ہیں؟"

"جی نہیں، تنہا ہی آیا ہوں۔"

"ٹھہرے کہاں ہو؟"

"خالہ کے یہاں!" فیروز نے جواب دیا۔

بدری ناتھ چلے گئے، تو نریندر بولا "اسی لئے تو میں سگریٹ نہیں پیتا کہ پا پا کو دیکھ کر بجھانی نہ پڑے۔"

اور پھر دونوں دوستوں نے ڈبے سے سگریٹ نکال کر اپنے لبوں میں لگا لئے۔ لائٹر کی لَو بھڑکی اور دو سگریٹوں کے منہ ایک ساتھ اُس میں جھلس گئے۔

ایک بھرپور کش لگا کر نریندر نے سگریٹ کا گُل جھاڑا اور کہا۔

"یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ نوکر کو بھیج کر میں ابھی خالہ کے یہاں سے تمہارا سامان منگوا لیتا ہوں۔ تم یہیں رہوگے اور کہیں نہیں۔" اور وہ نوکر کو بلانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھہرو تو ــــ!" ہاتھ پکڑ کر فیروز نے نریندر کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

"میری بات تو سنو۔ میں جس حادثہ کا ذکر کرنے جا رہا تھا اُسے ادھورا مت چھوڑ دو۔ پھر چاہے سامان وہیں پڑا رہنے دینا یا منگا لینا۔"

"ہوں ۔۔۔۔ !" اور استفسار یہ نظروں سے نریندر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

فیروز کہنے لگا۔

"دلّی سے جب میں سوار ہوا، تو ایک نوجوان لڑکی میری ہم سفر تھی۔"

"وہ تو مجھے پہلے ہی پتہ تھا، کہ تم پریوں کی کوئی من گھڑت داستان سناؤ گے، پرانی عادت جو ٹھہری۔"

"یقین کرو نریندر، میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔" فیروز بولا۔ "وہ لڑکی شاید سری نگر جا رہی تھی۔ کچھ پکا یقین نہیں۔ بہرحال وہ سری نگر اُتر گئی۔ دہلی سے سری نگر تک سفر کتنے اطمینان سے گذرا اُس کا احساس مجھے اس وقت ہوا، جب میں سری نگر سے میرپور آ رہا تھا۔"

"یہ تو کوئی کہانی نہ بنی۔ پریوں کی وادی کے تم شہزادے ہو، اور ایسی بے کار سی داستانیں سناتے پھرتے ہو۔"

"نہیں دوست! اس بیکار سی داستان کا کلائی مکس یہ ہے کہ جب میں نے خالہ کے یہاں آکر اپنا اٹیچی کیس کھولنا چاہا، تو چابی ندارد تھی۔ تالا توڑا تو اندر کا سامان دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی۔"

"سامان غائب تھا؟" نریندر نے پوچھا۔

"نہیں، جوں کا توں نہایت قرینے سے رکھا ہوا تھا۔"

"پھر؟"

"پتلون کی جگہ قیمتی جارجیٹ اور نائیلون کی ساڑھیاں تھیں، اور ...."

" ہائیں ۔" نریندر ایک دم اُچھل پڑا ۔

" قمیضوں اور نکٹائیوں کی بجائے ریشمی بلاؤز تھے ۔" نریندر کے استعجاب پر فیروز ذرا بھی نہ چونکا ۔" لپ سٹک، پوڈر، زنانہ رومال اور نہ معلوم کیا کیا الّم غلّم بھرا ہوا تھا ۔ سارے سامان کو نکال کر قرینے سے سجا دو تو سوداگری کی ایک اچھی خاصی دکان کھُل سکتی ہے ۔ اور ہاں ایک چیز اور بھی تھی اس میں ۔ ایک چھوٹا سا نہایت خوبصورت پلاسٹک کا پرس جس میں اس لڑکی کی پاسپورٹ سائز کی ایک تصویر تھی ۔ اسپرو کی دو گولیاں تھیں ۔ اور دہلی سے پٹھان کوٹ تک کا ریل کا ٹکٹ !"

" اُس ریل کے ٹکٹ کو تعویذ بنا کر گلے میں لٹکا لو ۔ اور اسپرو کی گولیاں کھا کر آرام سے موت کی میٹھی نیند سو جاؤ ۔ شاید قیامت کے دن وُہ لڑکی تمھیں پھر ملے ۔ اُس دن تم اُسے اس کی ساڑھیاں اور بلاؤز لوٹا کر اپنی پتلون اور قمیض مانگ لینا !"

" مذاق نہ کرو دوست ! میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا ، کہ یہ سب کچھ ہوا کیونکر ۔ پٹھان کوٹ تک اٹیچی میرے سرہانے رکھا ہوا تھا ۔ اتفاق سے بس میں بھی دونوں ساتھ ہی بیٹھے لیکن میرا اٹیچی میرے پاس تھا ، اُس کا اُس کے پاس ۔ پھر وُہ سرینگر اُتر گئی ۔ کہاں گئی ، کدھر گئی ، پتہ ہی نہیں لگا ۔"

" تعاقب نہیں کیا تم نے اُس کا ؟ اس کام میں تو تم ماہر ہی جان پڑتے ہو ۔"

" میری جان پر بنی ہے اور تمھیں مذاق سوجھ رہا ہے ۔ میں سوچ رہا ہوں اَب یہاں پہنوں گا کیا ؟" فیروز بولا ۔

" تمھیں تو پہننے کو یہاں بہت کچھ مل جائے گا ، لیکن اس بے چاری کا کیا ہوگا ——— تمھاری پتلون اور قمیض پہن کر وُہ کارٹون نہ بن جائے گی ؟ ہاں

اُس کی تصویر کہاں ہے؟ نریندر نے پوچھا۔

"یہ رہی میرے پاس!"

"ذرا دکھاؤ تو! میں بھی تو دیکھوں وُہ کیسی لڑکی ہے جس نے میرے شہزادے کو بے نیل و مرام اور بے یار و مددگار میرپور کی وادیوں میں تنہا چھوڑ دیا ہے!"

فیروز نے تصویر نکالنے کے لیے اندرجیب میں ہاتھ ڈالا، تو اچانک نوکر نے آ کر کہا۔

"چھوٹے صاحب! آپ کو اندر بُلایا ہے"

فیروز کا ہاتھ جیب میں ہی رُک گیا۔ نریندر لپک کر اندر گیا۔ اندر کا منظر نہایت ہی دلچسپ تھا

کویتا اپنی سہیلیوں کے درمیان، گھری لجائی شرمائی سی بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ ایک جانب اٹیچی کھُلا پڑا تھا اور پتلون، قمیض، ٹائیاں، بش شرٹیں، شیونگ کا سامان اور دیگر اشیا اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں، اور کویتا کی سہیلیوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ گئے تھے۔

"ارے، تو یہ کس کا سامان اُٹھا لائی ہے؟" نریندر معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا۔ لیکن فرضی حیرت و استعجاب کی لکیریں اس کے چہرے پہ ہویدا تھیں۔

"بات یہ ہے بھائی صاحب!....."

"پکڑلے گا کوئی ــــ!" کویتا کی بات کاٹ کر نریندر بولا۔ "پولیس میں رپورٹ کر دے گا، تو گواہیاں ہمیں دینا پڑیں گی۔ مجھے نہیں پتہ تھا، کہ دہلی جا کر تُو چوری کرنا بھی سیکھ گئی ہے"

"نہیں بھائی صاحب!....."

"اب بھائی صاحب کیا کریں گے ری!" ایک سہیلی نے کویتا کے چٹکی بھر کر کہا: "کچھ پتہ ٹھکانا بھی معلوم ہے اُس کا جس کا یہ سامان ہے؟ بے چارہ تمھاری جان کو رو رہا ہوگا"

اتنے میں دروازے پر آہٹ ہوئی اور فیروز کی آواز اُبھری۔

"بھئی اجازت ہو تو میں بھی آجاؤں اس ہنگامہ میں شریک ہونے کے لئے!"

"آؤ آؤ شہزادے، تمھاری کسر باقی تھی ——!"

فیروز کی آواز سُن کر کویتا کی سہیلیاں کھُسر پھُسر کرنے لگیں اور اُسے دیکھ کر تو اُنھیں سانپ سُونگھ گیا۔ سمٹ سمٹا کر ایک طرف کھڑی ہوگئیں۔ فیروز نے ایک نظر بکھرے ہوئے اٹیچی کے سامان کو دیکھا اور حیرت و استعجاب میں ڈوبی ہوئی اس کی نظریں کویتا پر گڑ گئیں۔

"تم ——؟"

"آپ ——؟" الفاظ کویتا کے حلق میں اٹک گئے۔ ایک لفظ بھی وہ اور نہ بول سکی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑ رہی تھیں۔ ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔

نریندر نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ اور فیروز کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تجھے پتہ نہیں تھا دوست! کہ جس نے تمھارا اٹیچی چرایا ہے وہ اِسی گھر میں موجود ہے؟"

"اور مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ کویتا ہے، ورنہ میں سارے راستے اس کا دماغ چاٹتا رہتا۔"

"اور پھر اسے ایسپرو کی گولی کھانا پڑتی" نریندر نے ہنس کر کہا۔

"وہ تو میں نے ....."

"اری تو فکر نہ کر!" کویتا کی بات کاٹ کر نریندر بولا۔ "ایسپرو کی گولی تھی، بندوق کی گولی تو نہیں تھی فیروز نے کھالی ہے!"

"بندوق کی گولی کھانے سے بھی نہیں ڈرتا ہوں دوست ـــــ وقت آنے دو۔"

"پیٹھ دکھا کر بھاگ جاؤگے۔" نریندر نے چھیڑا۔

"یہ تمہارا خیال ہے۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی فیروز! تم اپنے آپ کو بہت مردم شناس سمجھتے ہو، کویتا کو پہچان نہیں سکے تم، کہ یہ کون لڑکی ہے؟"

"بھئی بات تو سچی یہ ہے" فیروز ہاتھ مل کر بولا "کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ دُبلی پتلی چھپکلی سی کویتا جب بڑی ہو گی تو یہ شکل وصورت پائے گی۔ ویسے میں لڑکیوں کی طرف زیادہ گھورنے کا عادی نہیں۔ کوشش کرتا تو شاید پہچان جاتا۔"

فیروز کے آخری فقرے پر کویتا کی سہیلیاں مسکرانے لگیں۔ اب کویتا سے بھی نہ رہا گیا وہ بول پڑی۔

"سارے راستے تو آپ گھور گھور کر مجھے دیکھتے رہے ہیں اور اب باتیں بنانے کے لئے ....."

"وہ تو میں تمہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔" فیروز جھینپ کر بولا۔

"اور شاید ہڑبڑاہٹ میں اپنے اٹیچی کی بجائے میرا اٹیچی لے کر چلتے بنے۔"

"وہ تو میں ...."

"رہنے دیجئے۔" فیروز کو موقع دیئے بغیر ہی کویتا بولی۔ "بچپن سے جانتی

ہوں میں تمہیں ؟

فیروز حیران تھا کہ وہ چھوٹی موٹی سی کویتا جو لمحہ بھر پہلے لجائی شرمائی سی ایک کونے میں بیٹھی تھی، اتنی تیز طرار اور شوخ ہے۔ وہ اسے تمام لڑکیوں کی طرح سیدھی سادھی سمجھتا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا، کہ اِس بار نریندر نے ٹوک دیا اور کہا۔

"چھوڑو دوست اِس بحث کو ـــــ تم دونوں کی لڑائی کا نتیجہ نہ پہلے نکلا ہے، نہ اَب نکلے گا۔ میرے نزدیک تو تم دونوں چور ہو۔"

اور پھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ پُرانی باتیں اور پُرانی یادیں دوہرائی جانے لگیں۔ نریندر نوکر کو بھیج کر خالہ کے یہاں سے اٹیچی منگانے لگا تو فیروز بولا۔

"بندۂ خدا ـــــ نوکر کو بھیج رہے ہو تو کم از کم میرا اٹیچی بھی تو اس کے ہاتھ بھیج دو۔ یا خچروں کی طرح مجھے کمر پر لاد کے جانا پڑے گا؟"

"تم بھی یہیں رہو گے اور تمہارا اٹیچی بھی۔ خالہ جان کو کہلا بھیجو۔ اور وہ کونسی تمہیں اپنے پاس رکھ کر خوش ہیں۔ تمہیں دیکھ لیا، کلیجہ ٹھنڈا ہوا، آنکھوں کا نور بڑھا اور بس!"

"اپنی شرارتوں سے باز نہیں آؤ گے!" فیروز بولا۔

نوکر چلا گیا، اور اس کے بعد ایک ایک کر کے کویتا کی سہیلیاں بھی چلی گئیں تو وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

نریندر اندر چائے کہنے کے لئے چلا گیا تو فیروز نے کویتا سے پوچھا۔

"مجھے یاد کرتی تھیں کویتا!؟"

پلکوں کی اوٹ سے جھانک کر ایک بار کویتا نے فیروز کی طرف دیکھا، اور پھر اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ اس کے سینے کا زیر و بم اس کے دلی جذبات کو

آشکارا کر رہا تھا۔ فیروز سے یہ بات چھپی نہ رہی۔ ایک بار جی بھر کے اس نے کویتا کو دیکھا۔ ہلکا تبسّم اس کے ہونٹوں پر بکھر گیا۔

وہ سر جھکائے چُپ چاپ بیٹھی تھی۔ کویتا کے قریب بیٹھ کر اس نے پہلی مرتبہ محسوس کیا، کہ وہ عشق پیچاں کی ایک ایسی بیل ہے جس میں خار دار جھاڑیوں پر بھی چڑھنے کی طاقت ہے۔ اس کے جسم میں جوانی کی تمام خوشبوئیں بھٹک رہی ہیں، اس کی بادامی آنکھوں میں شراب کا سا خمار تھا، لمبے سیاہ بالوں میں آبشار ایسی لچک تھی۔ اُس کے پاس بھرپور جوانی کے تمام لوازمات موجود تھے۔ اس تنہائی میں وہ کویتا کو دیکھ کر شدّتِ جذبات سے گھائل ہو رہا تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس سے کیا کہے۔ کس طرح سلسلۂ کلام جاری رکھے۔ کس طرح سے بات کا آغاز کرے۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"تم تو بہت بڑی ہو گئی ہو کویتا!"

اور واقعی اُسے بہت حیرت تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سوکھی سڑی دُبلی پتلی سی کویتا چند ہی سال میں جوانی کا دلکش مرقع بن جائے گی۔ بھرپور گدرائے ہوئے اعضاء اور ان کی تیکھی تراش، انگ انگ سے پھوٹتی ہوئی شراب جوانی۔ دلکش خطوط، نکھرا ہوا رنگ، نرگسی آنکھیں اور اُن میں کجرے کی ایک لمبی سی لکیر۔ ساڑھی کو کھینچ کر اس نے کچھ اس انداز سے باندھا تھا کہ جسم کے اُبھرے ہوئے خطوط اور نمایاں ہو گئے تھے۔

اور وہ سوچ رہا تھا کہ نریندر جلدی واپس آ جائے۔ اور اُسے اکتا دینے والی خاموشی سے چھٹکارا ملے ـــ کویتا کی حالت تو شاید فیروز سے بھی خراب تھی، اس کی نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ سوچ کے گہرے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔ ایک بار ہمت کر کے اُس نے فیروز کی طرف دیکھا، نگاہیں

ٹکرائیں، ایک بجلی سی کوندی، اور اُسے بے خبری میں اتنا بھی ہوش نہ رہا، کہ آنچل ڈھلک کر سینے سے نیچے آگیا ہے اور سینے کے زیر و بم نے فیروز کی دُنیا ڈانواں ڈول کر دی ہے۔۔ دلوں کو برما دینے والی شرمیلی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری رہی۔ خیالات کی دُنیا میں مستغرق وہ ایک ٹک فیروز کو دیکھتی رہی۔

اور اس کا سپنا اس وقت ٹوٹا جب نریندر اندر آکر کہہ رہا تھا۔

"کم بخت نوکر نہ جانے کہاں مر گئے ہیں۔ دُور بین لگا کر کھوج لو۔ ایک بھی مل جائے تو ...."

"ایک کو تو تم نے خالہ کے یہاں بھیجا ہے!"

"اس کے علاوہ چار نوکر اور ہیں۔ لیکن سب ندارد۔ چائے کے ایک گھونٹ کی ضرورت ہو تو گھنٹہ بھر انتظار کرنا پڑے۔"

"چائے ہی پینی ہے تو میں خود بنا لاتی ہوں۔" کویتا بولی، اور جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

لیکن اُلٹے ہی پاؤں واپس آگئی اور جھلا کر بولی۔

"نوکروں کی ساری فوج تو چولھے میں سر جھونکے چائے بنا رہی ہے، تم مجھے یوں ہی پریشان کرنا چاہتے ہو۔"

"بات یہ ہے کہ آج تمہارے ہاتھ کی چائے پینے کو دل کر رہا ہے —— کیوں فیروز؟"

جواب میں فیروز مسکرا دیا۔

"بھئی ....." کویتا منمنا کر بولی۔

"میری اچھی بہن!" نریندر خوشامدانہ لہجہ میں بولا۔ "تمہارے ہاتھ کی چائے کب کب پیتے ہیں۔ نوکروں کے ہاتھ کی چائے پیتے پیتے چائے سے نفرت

ہونے لگی ہے، کیوں فیروز!"

اور جواب میں ایک بار پھر فیروز مسکرا دیا۔

"تم دونوں شرارت پہ تُلے ہوئے ہو۔" ساڑھی کا آنچل اُڑس کر وہ باہر جاتے جاتے بولی۔

کویتا چلی گئی تو فیروز بولا۔

"میر پور کی اس تنہائی میں تم اُکتا نہیں جاتے ہو گے؟" اور پھر نریندر کے کانوں کے پاس مُنہ لے جا کر فیروز بولا۔" یا کسی کو اپنے خوابوں کی ملکہ بنا لیا ہے؟ اور تنہائی کے لمحات مستقبل کے خوش آگیں سپنے بننے میں گذرتے ہیں؟"

"ہُوں —— کچھ ہے تھوڑا بہت۔"

"کون ہے وہ، ذرا ہمیں بھی تو بتاؤ دوست!" فیروز نے پوچھا۔

"نہیں پہلے تم بتاؤ، کسی سے عشق وِشق لڑایا یا یونہی —!" نریندر نے پوچھا۔

"ابے کیوں بکواس کرتا ہے۔ میرے ساتھ ایسی کوئی بات ہوتی، تو میں خط میں ذکر نہ کر دیتا؟"

"یہی جواب میں دے سکتا ہوں دوست!" نریندر بولا۔" اگر میرے ساتھ بھی اُیسی وَیسی کوئی بات ہوتی تو میں خط میں ضرور ذکر کر دیتا۔"

"بتاتا ہے یا دوں دھول؟" فیروز اس کی طرف لپکا تو وہ بولا۔

"بتاتا ہوں —— بتاتا ہوں —— لیکن میں سوچتا ہوں کہ ایسے عشق سے کیا فائدہ جس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ جو سامنے حویلی نظر آ رہی ہے نا؟" نریندر بولا "اس

میں ایک لڑکی رہتی ہے کوثر ___ آپ کوثر کی طرح پاک، شبنم کی طرح پاکیزہ اور چاندنی کی طرح شیتل۔ جب وہ نہا کر بال بکھیرے اوپر آتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے گھنیرے بادلوں میں سے چاند نکل آیا۔"

"ہوں! ___ حالت نازک دکھائی دیتی ہے!"

"میں سوچتا ہوں فیروز! میری اس محبت کا انجام کیا ہوگا؟"

"تم کیا سوچ رہے ہو مجھے پتہ ہے ___ لیکن یہ مذہب کی دیواریں محبت میں حائل نہیں ہوں گی۔ ہمیں اِن دیواروں کو توڑ گرانا ہے۔"

"اس کا بھائی بڑا ظالم ہے!" نریندر بولا۔ "عظیم کو تم نہیں جانتے، سارا میرپور اُس کے نام سے کانپتا ہے اور میں نے تو یہاں تک سُنا ہے کہ قبائلی لیڈروں سے اس کا براہِ راست تعلق ہے اور وہ میرپور میں گڑبڑ کرانا چاہتا ہے ___!"

"ہو سکتا ہے، ___ لیکن وہ اپنے ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کشمیری عوام کے دلوں میں موجزن قوم پرستی کے جذبہ کو وہ مٹا نہیں سکتا۔ کشمیر کشمیریوں کا ہے، ہندو یا مسلمان کا نہیں ___!"

کچھ دیر کمرے میں سکوت طاری رہا۔ بات قدرے سنجیدہ صورت اختیار کرتی جا رہی تھی اس لئے موضوع بدلنے کے لئے نریندر نے کہا۔

"تم نے بھی کہیں اٹاسٹ لڑائی ہے، یا یوں ہی بے کون و مکان گھومتے پھر رہے ہو؟"

یکبارگی فیروز کا دھیان کویتا کی طرف گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ اُسے ایسا لگا جیسے حُسن کی مورتی، جوانی کا پیکر کویتا اُس کے سامنے کھڑی ہو، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی اُداسی ہو، اور ایک

عجیب سی کبھی نہ مٹنے والی پیاس!

قدرے توقف کے بعد فیروز بولا۔

"بہت کچھ سوچا ہے دوست! لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ یہ سوچنا دوچنا بالکل بے کار ہے ـــــ اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبّت کے سوا۔"

"لیکن اس دُکھ کا علاج بھی تو تمھیں ہی کرنا ہے۔" نریندر بولا۔

"تم نہیں سمجھو گے دوست! شاید تم نے اِس بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں ہے جس بارے میں میں سوچ رہا ہوں۔"

"ـــــ" اور اِس بار نریندر کچھ بھی نہ بولا۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا اور نظریں فیروز کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"یہ میری بد قسمتی ہے کہ میں ایک اُیسے خاندان میں پیدا ہوا جسے آنیوالی نسلیں قومی غدّار کے نام سے یاد کریں گی، جس نے ہمیشہ انگریز کا نمک کھایا۔ اور ہندوستانیوں کا خون بہایا ہے۔ لیکن یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے ایک اُیسے خاندان میں جنم لیا ہے جسے انگریز کا بہت قرب اور اعتماد حاصل رہا ہے، اور اسی بنیاد پر میں کہہ رہا ہوں، کہ دشمن کشمیر کی طرف گھات لگائے بیٹھا ہے، وادیٔ کشمیر پر بھیڑیوں کی نظریں ہیں اور بیرونی طاقتیں کشمیر کو فوجی اڈے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔"

"لیکن اب تو ہم آزاد ہیں، سارا ہندوستان آزاد ہے!"

"ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ڈوگرہ شاہی کی چھتر چھایا میں ہم خود کو آزاد تصوّر کر رہے ہیں۔ میں اب یہاں سے جاؤں گا نہیں۔ وادیٔ کشمیر سے میرا جنم جنم کا رشتہ ہے۔ تم سے ملنے کے ساتھ ساتھ کشمیر آنے کا مطلب یہ ہے کہ میں مادرِ وطن کی کچھ خدمت کر سکوں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہر طرف امن وامان ہے، ہندوستان آزاد ہو گیا ہے۔ میں نے تو سُنا ہے کہ راجہ ہری سنگھ نے کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے!"

"کشمیر ہندوستان کا عضو ہے، اُسے ہندوستان میں شامل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تم خود کہہ رہے تھے، کہ عظیم سے سارا میر پور کانپتا ہے، اُس کا تعلق براہِ راست قبائلی لیڈروں سے ہے اور وُہ کشمیر میں گڑبڑ کرانا چاہتا ہے۔"

"لیکن یہ خبر تصدیق طلب ہے، اس پر پُورا یقین نہیں کیا جا سکتا!"

"اِس پر تمھیں پورا یقین کر لینا چاہیئے۔ عظیم سمجھتا ہے کہ اس کی شیطانی حرکات کا کسی کو علم نہیں۔" اور اب نریندر کے کان کے پاس مُنہ لے جا کر فیروز بولا: "کشمیر کے حُسن کو لُوٹنے کے لئے، وادیٔ کشمیر کو تباہ کرنے کیلئے سازشیں کی جا رہی ہیں، غیر ممالک سے اسلحہ پہنچ رہا ہے، کارتوس، گولا بارُود اور اسلحے غیر ملکی ایجنسیوں اور قومی غداری کے ذریعے قبائلی لیڈروں میں تقسیم کیا جا رہا ہے، تاکہ کسی بھی وقت کشمیر پر حملہ کیا جا سکے۔ قبائلی سرداروں کو نقد رقم کی صورت میں بھی کافی امداد دی جا رہی ہے ....!"

قدموں کی آہٹ سُن کر فیروز خاموش ہو گیا۔ کویتا آ گئی تھی۔ اُس کے پیچھے پیچھے چائے کی ٹرے لئے نوکر آ رہا تھا۔

کویتا کی آمد سے سنجیدہ ماحول ایک بار پھر خوشگوار ہو گیا۔ آلوؤں کے چپس کی طشتری میز پر رکھ کر اُس نے کیتلی سے چائے پیالیوں میں اُنڈیلی اور فیروز اور نریندر کے سامنے کپ سرکا کر بولی۔

"چینی کم ہو تو اور ڈال لیجئے۔"

"نریندر ٹھیک کہتا تھا!" فیروز چائے کی چُسکی لگا کر بولا" چائے تم بہت اچھّی بنانا جانتی ہو لیکن ... "

"چینی بہت زیادہ ہے" نریندر نے فقرہ پُورا کر دیا۔ "ارے اِس کے ہاتھ میں شیرینی گھُلی ہوئی ہے۔ یہ چائے میں چاہے ایک چمچہ بھی چینی نہ ڈالے، چائے میں میٹھا ہر وقت تیز ہو گا!"

"واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فیروز بولا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہُوں۔ عورتوں کے ہاتھ کی چائے تو ویسے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے!" پھر وہ کویتا کی طرف دیکھ کر بولا" یہ تو جس کے گھر جائیگی اُس کے گھر چینی کا خرچہ ختم ہو جائے گا۔"

اور کویتا اپنی تعریف اِس انداز سے سُن کر شرم سے دوہری ہو گئی۔ فیروز اس کی حمایت میں بولا" کوثر کے بارے میں بھی شاید تم یہی کہو گے — چلو بھابی آئے گی تو چینی کا خرچہ کم ہو جائے گا۔ کیوں کویتا ---؟" دادطلب نظروں سے فیروز نے کویتا کی طرف دیکھا۔

"تو کوثر کو تم بھی جانتے ہو؟" کویتا بولی۔

"جانتا نہیں تھا۔ لیکن اَب جان گیا ہوں!"

"وُہ جو پتلی سی لڑکی تھی نا! سیاہ ساڑھی پہنے، جس نے کھُلے گلے کا جمپر پہن رکھا تھا اور کانوں میں بڑے بڑے جُھمکے ڈال رکھے تھے، وہی کوثر تھی!"

"بھئی میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں لڑکیوں کی طرف کم ہی دیکھا کرتا ہوں۔ ویسے اگر وُہ کوثر تھی، تو نریندر تمھاری پسند کی داد دینا پڑتی ہے!"

"تم اپنی کہو، تم نے کونسی کڑوے گھونٹ پلانے والی پسند کی ہے ---؟" اپنے اُوپر سے بلا ٹالنے کے لئے نریندر بولا۔

" تیکھی نظروں سے ایک بار کویتا نے فیروز کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں، کویتا نے نگاہیں جھکالیں۔ فیروز کہنے لگا۔

" میں نے طے کرلیا ہے کہ شادی کسی ایسی لڑکی سے کروں گا جو محبّت کے موتی میرے قدموں میں نچھاور کردے۔ جو یہ جانتی ہو کہ محبّت کے ساگر میں ڈوب کر کونسا نغمہ گایا جاتا ہے۔ جو وقت پڑنے پر اپنی محبّت کے آنچل کو پرچم کی صورت میں لہرا سکے "

انقلابی رجحانات پرورش پاتے جارہے ہیں تمھارے ذہن میں" نریندر بولا۔" بڑے خطرناک آدمی ہو تم تو۔"

" مادرِ وطن کا جذبہ دل میں ہے تو تمھیں بھی یہی رجحانات اپنانا پڑینگے پیار اور محبت کی دُھن پر قومی ترانے گاؤ۔ وقت کی سب سے بڑی پُکار یہی ہے!"

کویتا کے سامنے کوئی خشک سیاسی بحث چھیڑ کر فیروز آج کے دن کی رنگینیوں، خوشیوں اور مسرّتوں کو غم آلود کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن کویتا بھی سمجھدار تھی۔ عُمر کے ساتھ ساتھ شعور میں بھی پختگی آگئی تھی۔۔۔۔ فیروز سے کہنے لگی۔

" میں نے سُنا ہے کشمیر میں فساد کرانے کی سازشیں کی جارہی ہیں، اور ڈوگرہ حکومت کو بدلنے کے لوگ بے تاب نظر آتے ہیں "

" بات یہ ہے کویتا، کہ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ کشمیر کے عوام بھی اپنے طور پر آزادی چاہتے ہیں۔ کشمیر کی جنتا کا سیاسی نظریہ بدلتا جارہا ہے۔ عوام کا خیال ہے کہ کشمیر ڈوگرہ حکومت کی سنگینوں تلے اتنی ترقی نہیں کرسکتا جتنی ترقی حکومت ہند کے ساتھ مل کر کرسکتا ہے۔ کشمیر کے عوام

اپنی قسمت کے خود مالک بننا چاہتے ہیں، قومی حکومت بنانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن اس کے لئے فضا سازگار ہے، آج نہیں تو کل، یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔" نریندر بولا۔

"تم نہیں سمجھو گے دوست! ایمان فروش اور ملک و قوم کے غدار آج بھی کشمیر کو داؤ پر لگانے کے لئے موقع کی تلاش میں بیٹھے ہیں۔ تعصب کی آگ چاروں طرف بھڑکائی جا رہی ہے۔ فرقہ وارانہ فساد کرانے کے میدان بنائے جا رہے ہیں۔ اور جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے، ان فرقہ وارانہ فسادات کو شروع کرانے کے لئے، وادیٔ کشمیر میں امن کر لینے کے بہانے قبائلی لٹیروں کو کشمیر میں داخل کرایا جائے گا۔ کشمیر کے گلزاروں کو، باغات کو، خوشنما سیرگاہوں کو، معصوم بچوں کو، بے گناہ بوڑھوں کو اور حسین و خوبصورت، گنگا کی طرح نرمل اور آبِ زمزم کی طرح پاک عورتوں کو پاؤں تلے روندا جائے گا۔ چاروں طرف آگ ہوگی، تباہی کا منظر ہوگا، کشمیر جل رہا ہوگا اور اُسے بچانے کے بہانے پاکستان اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کر دے گا۔ اور نام نہاد لٹیروں کو بھگا کر کشمیر میں اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہوگا۔ قرآن اور مذہب کا واسطہ دے کر لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا جائے گا۔ فرقہ وارانہ منافرت پھیلائی جائے گی۔ اور یہ سب کچھ قومی غدار کریں گے۔ مادرِ وطن کو مذہب اور ایمان کے نام پر فروخت کریں گے۔ ایسے میر جعفروں کی کمی نہیں ہے نریندر!"

"میرا خیال ہے تمہیں ایسے بے چند بھی مل جائیں گے، جو اپنے گھر میں آگ لگوانے کے لئے خود دشمن کو دعوت دیتے ہیں!"

"دراصل اس میں فرقہ واریت کو اس قدر دخل نہیں جس قدر مصلحت کو

ہے۔" کویتا بولی۔

"ہاں، کسی قدر تمھارا کہنا بھی ٹھیک ہے کویتا۔" فیروز بولا۔" مجھے اطلاع مل گئی ہے اور میں کشمیر کی حالت سے رتی رتی بھر واقف ہوں۔ میں تم سے ملنے نہیں آیا ہوں دوست! میں کشمیر کی خدمت کرنے آیا ہوں۔ میں اُن لوگوں سے کشمیر کو بچانا چاہتا ہوں جو چند روپہلی سکوں کے عوض اپنا ایمان فروخت کر دیتے ہیں جن کے نزدیک مذہب اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ مصلحت کے پیش نظر وہ بھولے بھالے عوام کے خون سے ہاتھ رنگنے کو تیار رہتے ہیں چاہے وہ اُن کے ہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس میں ہندو اور مسلم کا سوال نہیں۔"

"لیکن ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں؟" نریندر بولا۔" جب سارے کشمیر میں آگ لگی ہے، تو دو مٹھی ریت اس بھیانک آگ کو کیونکر بجھا سکے گی۔"

"دو نہیں، تین ہیں ہم۔" فیروز بولا۔" کویتا بہادر ہے، باہمت ہے، اور میں سمجھتا ہوں، کہ کویتا کو عورتوں کے محاذ پر جاکر اُن میں بیداری پیدا کرنا ہوگی کشمیری عورتیں خوبصورت ہیں، حسین ہیں، نازک ہیں، لیکن ان کے ہاتھوں میں بندوق بہت اچھی سجتی ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے، اپنے ملک و قوم کی حفاظت کے لیے کویتا کشمیری عورتوں کو بندوق کا استعمال سکھائے گی۔"

اور کویتا کے چہرے پر عجیب تابناکی تھی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سانسوں کا توازن غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا۔

کچھ دیر کمرے میں بالکل سکوت طاری رہا۔ نہ تو فیروز بولا۔ نہ ہی کویتا یا نریندر نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ بالآخر اس گہری اکتا دینے والی خاموشی کو فیروز نے توڑا۔

"آج مجھے ایسی باتیں کہنا نہیں چاہیئے تھیں۔ میں نے یہ سب باتیں پھر

کسی دن کے لئے اُٹھا چھوڑی تھیں۔ میں آج کی خوشگوار ملاقات کو غم آلود کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"غم آلود کرنے کی بات نہیں دوست! یہ وقت کی پکار ہے۔ ہمیں اپنے فرض کو نبھانا ہے۔"

"تو کوثر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رابطہ پیدا کرو۔"

حیرت و استعجاب سے نریندر فیروز کی طرف دیکھنے لگا۔ کویتا کے ہونٹوں پر پھیکی پھیکی مسکان لہرا گئی۔

"غلط نہیں کہہ رہا ـــ کوثر کو تم جتنا اعتماد میں لو گے ہمارا کام اتنا ہی آسان ہو جائے گا۔ اس کا بھائی عظیم قوم کا سب سے بڑا غدار ہے۔ ہمارا دشمن ہے ساری وادیٔ کشمیر کا دشمن ہے۔ اُس کی نگرانی سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

"لیکن وہ بہت ظالم ہے۔" نریندر بولا۔

"ظلم کے خلاف ہی ہمیں آواز بلند کرنا ہے۔ متحدہ مورچہ بنانا ہے۔"

بہت دیر تک یہی باتیں ہوتی رہیں۔ اور باتوں کا یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا، جب کویتا کی آنکھوں میں تھکن کے گلابی ڈورے جھلملانے لگے۔

رات گئے فیروز بستر پہ کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند اُس کی آنکھوں سے غائب تھی، اُس کے برابر ہی چارپائی پہ نریندر لیٹا ہوا تھا۔ اُسے بھی نیند نہیں آئی تھی۔ سامنے کویتا کے کمرے میں ابھی تک بجلی روشن تھی۔ شاید وُہ بھی جاگ رہی تھی۔ نریندر رہ رہ کر گردن اُٹھا کر یہ دیکھ رہا تھا کہ فیروز ابھی تک سویا ہے یا نہیں۔ اور جب اُسے اِس بات کا احساس ہوگیا، کہ فیروز سوگیا ہے، تو وُہ آہستہ سے اپنی چارپائی سے اُٹھا اور دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

نریندر کے جانے کی فیروز نے مطلق پرواہ نہ کی۔ بے چینی کے عالم میں وُہ اسی طرح کروٹیں بدلتا رہا۔ آج اس نے ملک اور قوم کے تئیں ایک بڑے فرض کو نبھایا تھا۔ مادرِ وطن کے دو نونہالوں کو اُن کے فرض کا احساس دلایا تھا لیکن ایک اور بھی جذبہ تھا، جو دل کی لامتناہی گہرائیوں میں پنہاں تھا۔ پیار اور محبت کا جذبہ!

کویتا کی معصوم صورت اس کی آنکھوں میں رقص کر رہی تھی۔ وُہ جوان تھی، حسین تھی۔ اس کی جوانی کے ابھریں سینوں میں نہ جانے کتنے گیت جنم لے رہے تھے۔ اس کے شباب کے حسین تاروں میں خوبصورت نغمے پرورش پا رہے تھے سوچ کے گہرے سمندر کی تہوں میں ڈوبا ہوا اُس کا چہرہ جیسے وہ کسی سنہری

مچھلی کی تلاش میں ہو۔ اس کے سیاہ کالے بالوں میں راتوں کا خاموش جادو چھپا ہوا تھا۔ اس کے قدرتی حسن میں ستاروں کی تابناکی کی ساری سندرتا پنہاں تھی۔ اِدھر فیروز کو بھی کسی ایسے ہم سفر کی تلاش تھی جو زندگی کی تاریک راہوں میں زلفوں کی چمک بکھیر سکے۔ جو محبت کے بے داغ اُجالوں میں کھڑی ہو کر بہار کے گیت گا سکے۔ جو اس کے شانہ سے شانہ ملا کر زندگی کی دشوار گذار، خاردار اور سنگلاخ راہیں ہنستے ہنستے طے کر سکے۔ جس کے قرب سے منزل پاس آجائے، جس کی رفاقت سے کلفتیں دور ہو جائیں۔

اور فیروز نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا، کہ وہ کویتا سے اپنے دل کی بات کہہ کر رہے گا۔ لیکن ایسی مجبوری اس کے سامنے بھی آ کھڑی ہوئی، جس کا ذکر کوثر کے تئیں نریندر نے کیا تھا۔ لیکن آج کا انسان بہت ترقی یافتہ ہو گیا ہے، مذہب کی دیواریں آج نہیں تو کل ختم ہو جائیں گی۔

ایک ہی دن میں کویتا بُری طرح اُس کے ذہن پہ چھا گئی تھی۔ مذہب کی تفریق بھی اُس کے دل میں پیدا شدہ والہانہ وابستگی کو کم نہ کر سکی۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جس بات سے انسان کو روکا جائے وہ اس بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور فیروز نے بھی اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا، کہ کویتا کا دل ٹٹول کر اس کے من کی بات جاننے کی کوشش کرے گا۔

کروٹ بدل کر اُس نے دیکھا، نریندر وہاں نہیں تھا۔ آہستہ سے وہ اُٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کویتا کے کمرے کی بجلی جل رہی تھی۔ دبے پاؤں برآمدہ پار کر کے، کویتا کے پتا بدری ناتھ کے کمرے کے سامنے سے ہوتا ہوا وہ کویتا کے کمرے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

دروازہ بند تھا، لیکن چٹخنی نہیں لگی ہوئی تھی۔ داہنے ہاتھ والی کھڑکی

کے مدھم سے شیشے سے جھانک کر فیروز نے دیکھا، کویتا جاگ رہی تھی۔ وہ بالکل چپ چاپ بستر پہ نیم دراز گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ دروازے پہ ہلکی سی تھاپ پڑتے ہی وہ چونکی۔

"کون ــــــ؟"

اُس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ سینے سے ڈھلکے ہوئے آنچل کو اس نے سنوارا۔ پلنگ کے پاس پڑی چپل پاؤں میں ڈال کر اُس نے ایک بار پھر پوچھا۔

"کون ہے؟"

اور قبل اس کے کہ اُسے جواب ملے اُس نے دروازہ کھول دیا۔

"آپ؟" حیرت سے اس کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ تمھارے کمرے میں روشنی دیکھی تو یہ خیال گذرا کہ شاید تم جاگ رہی ہو، اِس لئے اِدھر آ گیا۔"

کمرے کے اندر آ کر ہلکی نیلگوں روشنی میں فیروز نے کویتا کو دیکھا۔ شب خوابی کے لباس میں وہ اُسے ایک اپسرا کی طرح، ایک یونانی دیوی کی مانند لگ رہی تھی۔ وہ باریک سفید کپڑوں میں ملبوس تھی جس میں سے اس کا دودھیا جسم چھن چھن کر نظر آ رہا تھا۔ نا دانستہ طور پہ فیروز کی عقابی نظریں کویتا کے جسم کے نشیب و فراز کو ٹٹولنے لگیں۔ یہ بات کویتا سے چھپی نہ رہ سکی۔ اس کے جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہو گئی۔ چادر کھینچ کر اس نے جسم پہ ڈال لی اور کہنے لگی۔

"کشمیر کی راتیں بڑی سرد ہوتی ہیں!"

"اسی لئے تمھیں پسینہ آ رہا ہے" کویتا کی پیشانی پہ جھلملاتی ہوئی پسینہ کی بوندیں دیکھ کر فیروز نے مسکرا کر کہا۔

کویتا جھینپ گئی۔

اور پھر ایک دم فیروز کے ذہن کے گرد آلود معبدوں میں یادوں کے چراغ جلنے لگے۔ اور اُن چراغوں کی روشنی میں اُسے آج سے دس بارہ سال پہلے کی کویتا اُکھڑی دکھائی دی۔ جو بہت نادان تھی، بھولی اور معصوم تھی، بچے کے پہلے بول کی طرح ــــ اور آج وہ شرمائی کسمسائی سی بستر پہ چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔

"تم مجھے یاد کرتی تھیں کویتا!" فیروز نے پوچھا۔

"اس کا جواب تو تم اپنے دل سے پوچھو۔ تم اگر مجھے یاد کرتے رہے ہو گے تو یہ سوال کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔"

کویتا کا جواب سُن کر فیروز لاجواب ہو گیا۔ رعبِ حسن سے یا تنہائی کے زیرِ اثر فیروز کے جذبات منجمد سے ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کے ذہن میں سوچ کے سارے دریچے بند ہو گئے تھے۔ اور وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ سلسلۂ کلام کیونکر جاری رکھے۔ قدرے توقّف کے بعد اس نے کہا۔

"کوثر کیسی لڑکی ہے؟"

"اچھی لڑکی ہے ــــ نہایت نیک دل اور بااخلاق ــــ میری بات تو بہت مانتی ہے۔"

"اگر کوثر تمھاری بھابی بن جائے تو ــــ؟" مسکرا کر فیروز نے پوچھا۔

"تو کیا تم؟"

"میں اپنی بات نہیں کر رہا ــــ!" کویتا کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ فیروز سے چھپا نہ رہ سکا۔ "نریندر اور کوثر کی جوڑی کیسی رہے گی؟"

"لیکن اُس کا بھائی مانے گا؟ ــــ وہ بہت ظالم ہے، وہ کشمیر کے مسلمانوں کو

ہندوؤں کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ وہ کوثر کا گلا گھونٹ دے گا، یہ رشتہ ہرگز منظور نہیں کرے گا:"

"مجھے عظیم کی نہیں، کوثر کی پرواہ ہے۔ تمہیں بھابی پسند ہے، تو فضا بھی سازگار ہو جائے گی۔"

اور پھر قدرے توقف کے بعد فیروز بولا:

"نہ معلوم یہ مذہب کی تفریق کب تک دلوں میں منافرت کا بیج بوتی رہے گی۔ اس فرقہ پرستی نے ہندوستان کے ٹکڑے کیئے۔ یہی فرقہ پرستی کی آگ کشمیر میں بھڑک اُٹھی تو کشمیر جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اپنا وجود کھو بیٹھے گا۔"

"کشمیر کو متعصب غنڈوں سے نہیں، قبائلیوں سے خطرہ ہے!"

"تم ٹھیک کہتی ہو کوثر بیتا ــــ تم جیسی بیدار مغز عورتیں کشمیر کی قسمت بدل سکتی ہیں۔ آج کشمیر کے بچے بچے کے دل میں مادرِ وطن کی خدمت کا جذبہ موجزن ہے۔ بلا تفریق مذہب و ملت قومی تحفظ اور فلاح و بہبود کیلئے کشمیری عوام کاندھے سے کاندھا ملا کر کام کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن چند غدارانِ وطن، ایمان فروش، غیر ملکی ایجنٹ، بدکردار لیٹرے روپہلی سکوں کی چمک اور گدیوں کی ہوس میں انسانیت کو بھلا کر بربریت پر اُتر آئے۔ قتل و خون کرنے سے گریز نہیں کر رہے۔ کشمیر کو غلام بنانے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔"

"اور ایسی حالت میں تم کوثر کو میری بھابی بنانے کی بابت سوچ رہے ہو۔"

فیروز! ہمیں شادیانوں کی نہیں، جنگ کے بگل کی ضرورت ہے۔ مہندی بھرے ہاتھ اگر عزت و عصمت کی حفاظت نہ کر سکیں تو ان ہاتھوں کو ظالموں کے خون سے رنگ لینا بہتر ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو کویتا۔ میں بھی کتنا بھولا تھا۔ کبھی تمھاری بابت سوچتا تھا، تو کبھی کوثر کی بابت۔ اور سچ پوچھو تو اپنے بارے میں بھی میں نے کئی بار سوچا۔ اپنے دل میں اُبھرتی تمنّاؤں کا، آرزوؤں کا، خوشیوں کا اظہار کرنا چاہا، اور کئی بار کوشش کی کہ تم سے کہہ دوں، کہ کویتا میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ بھی کتنی بڑی بھول ہوگی۔ کشمیر جل رہا ہے، موت کے دہانے پر کھڑا ہے، اور ہم یہاں محبت کے چراغ روشن کر کے زندگی کو رنگین بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

شادی اور محبت کی بات سن کر کویتا ذرا بھی نہ چونکی۔ اس کے جذبات میں کوئی بجلی نہ کوندی۔ چہرے پر کوئی تغیر رونما نہ ہوا۔ فیروز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، کہ وہ سر جھکائے نہایت اطمینان سے بستر پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی —— نہ جانے کیوں وہ جذبات سے بیگانہ بنی بیٹھی تھی۔ اس کے الفاظ کا کویتا پر کوئی اثر نہ ہوا، تو وہ اسے خاموش دیکھ کر مرعوب سا ہو گیا، کہ نہ جانے اب وہ کیا کہے گی، کیا بولے گی۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس کی بڑی بڑی پلکوں کی جھالریں اوپر اٹھیں عجیب سی نظروں سے اُس نے فیروز کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

"کچھ ایسے ہی جذبات میرے دل میں اُٹھ رہے تھے، اور میں سوچ رہی تھی، کہ بچپن کی یہ دوستی کسی اٹوٹ بندھن کا روپ دھار لے تو کتنا اچھا ہو۔ نریندر بھیّا دبے الفاظ میں مجھ سے کچھ ایسا ذکر کر بھی چکے تھے۔ لیکن مجھے ڈر تھا، ایک خدشہ میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ تم مرد ہو، نوجوان ہو، نہ معلوم تم نے اپنے لئے کیا فیصلہ کر رکھا ہو گا۔ بچپن کی کویتا کے لئے تمھارے دل میں کوئی جگہ ہو گی بھی یا نہیں۔ لیکن اب جبکہ منزل خود ہمارے سامنے آگئی ہے، کچھ سوچنے یا فیصلہ کرنے کی

ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔"

"کویتا!" اور شدتِ جذبات سے مجبور ہو کر فیروز نے کویتا کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"تم یقین نہیں کرو گی، کہ ایک پل کے لئے بھی میں تمھیں اپنے دل سے نکال نہیں سکا ہوں۔ جب بھی میں اُداس ہوتا، تو میرے پیچھے پیچھے احساسات کی لہروں میں تمھارا پُرنور چہرہ چاندنی کے ریشمی پردوں پہ سرسرانے لگتا۔ کئی دفعہ دن میں مطالعہ کرتے کرتے اچانک میرے ذہن کی راہوں سے کوئی گذر جاتا۔ میرے جسم میں ایک دم جھرجھری سی پیدا ہوتی۔ اور میں آنکھیں بند کر کے اس گذر جانے والے کو دیکھنے لگتا۔ اور وہ آکاش پر ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی کویتا ہوتی۔ تم سے بہت مختلف ـــ ننھّی معصوم کویتا۔ لیکن اب، جب میں نے تمھیں اس رنگ اس روپ میں دیکھا تو یہ فیصلہ کرتے دیر نہ لگی، کہ تم میری جنم جنم کی ساتھی ہو۔ نہ معلوم کیا کھو کر میں نے تمھیں پایا ہے"!

کویتا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور زبان گُنگ تھی۔ قدرے توقف کے بعد فیروز بولا۔

"منزل واضح ہے، لیکن سوچ رہا ہوں کہ ٹیڑھے میڑھے راستے ہمیں کہاں لے جائیں گے۔ ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔" پھر وہ کرسی سے اُٹھ کر کویتا کے برابر ہی پلنگ پہ آکر بیٹھ گیا۔ اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا "وعدہ کرو کویتا، کہ تم میرے شانے سے شانہ ملا کر مادرِ وطن کی خدمت کرو گی۔ ہمیں نیا کشمیر بنانا ہے، سرحدیں محفوظ نہیں۔ قبائلی لیٹرے جوق در جوق ہتھیاروں سے لیس گھات میں بیٹھے ہیں۔ نہ معلوم کب دنگا ہو جائے۔ سب سے پہلے ہمیں ملک کی حفاظت کرنی ہے۔ ابلا عورتوں اور معصوم بچوں کی جان بچانی ہے، "کشمیر ہمارا ہے"۔ اس نعرے کو گھر گھر پہنچانا ہے۔"

کویتا نے فیروز کے ہاتھ آنکھوں کو لگا کر پلکوں سے چوم لئے اور پر اعتماد لہجہ میں بولی۔

"وعدہ کرنے یا وچن نبھانے کی بات نہیں، میں نے جب تمھیں اپنا مانا ہے تو تمھارے ساتھ جان دے دوں گی لیکن پیچھے نہیں ہٹوں گی"۔

دروازے پہ ہلکی سی آہٹ ہوئی۔

فیروز نے چونک کر اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔ ایک لمبا سا سایہ کھڑکی کے پاس اُبھرا۔ اور پھر معدوم ہو گیا۔ دونوں کی رُوح کانپ گئی۔ لپک کر فیروز باہر کی طرف آیا۔ دروازہ کھول کر اس نے برآمدہ میں دیکھا، کوئی نہیں تھا۔ واپس آیا تو کویتا اپنے بستر پہ بیٹھی تھی۔ آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہوئے اور فیروز آہستہ سے دروازہ کھول کر برآمدہ میں آگیا۔ بدری ناتھ کے کمرے کی بجلی جل رہی تھی۔ فیروز نے شیشے میں سے جھانک کر دیکھا، آرام کرسی پہ نیم دراز وُہ اخبار بینی میں مصروف تھے۔ فیروز کا دل دھڑک رہا تھا۔ اور سانس حلق میں اٹکتی سی محسوس ہو رہی تھی۔ نیچے آہٹ سُنائی دی۔ بدری ناتھ نے گردن اُٹھا کر باہر کی طرف دیکھا اور پھر اخبار بینی میں مصروف ہو گئے۔

دبے قدموں فیروز نیچے اُترا۔ سڑک کی طرف کھلنے والے دروازہ کے پاس کھُسر پھُسر کی آواز سُن کر وُہ چونکا۔ پہلے تو وُہ سمجھا کہ شاید نریندر اور کوثر راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہوں گے۔ لیکن ان میں سے ایک آواز نہایت کرخت اور بھیانک تھی۔ فیروز اور آگے بڑھا تو اُسے یہ اندازہ لگاتے دیر نہ لگی، کہ دونوں آوازیں مردانہ ہیں۔

"دیکھ لیا اچھی طرح سے!"

"دیکھ لیا حضور! —— آپ کے حکم کے مطابق کام ہو گا"۔

"بچ گیا تو تمھارا سر قلم کردوں گا۔ میرا نام عظیم ہے، میرپور کا ہر شریف آدمی مجھ سے واقف ہے"

"اور میرا نام بھی رحیم بخش ہے سرکار! وادیٔ کشمیر کے ہر غنڈے کی روح مجھ سے کانپتی ہے"

"حُلیہ یاد ہے؟"

"آپ نے بتادیا ہے! —— ایک مرتبہ اور سمجھا دیں!"

اور پھر دونوں میں کھُسر پھُسر ہونے لگی۔ دروازے سے کان لگائے فیروز ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرتا رہا۔ کچھ سمجھا، کچھ نہیں سمجھا۔ لیکن اُسے یہ اندازہ لگاتے دیر نہ لگی کہ گفتگو کا موضوع وہی تھا۔ اُسی کے بارے میں بات کی جارہی تھی۔

اور پھر وہ دونوں بات کرتے وہاں سے چلے گئے۔ دروازہ کھول کر فیروز باہر آگیا، دو سائے اُس کے آگے آگے جارہے تھے وہ اُن کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آگے جاکر ایک سایہ جو شاید قبا تلی تھا داہنے ہاتھ کو مڑ گیا اور عظیم سیدھی سڑک پر چلتا رہا۔ کچھ دیر یوں ہی بے مقصد گھومتے رہنے کے بعد عظیم اپنے مکان کے عقبی حصے میں آگیا اور ایک چھوٹے سے دروازے پہ دستک دی۔ لمحہ بھر بعد ہی دروازہ کھُل گیا۔ فیروز بھی عظیم کے پیچھے پیچھے دروازے میں داخل ہوگیا

وہ دروازہ شاید کسی تہ خانے میں جاتا تھا۔ جیب سے دیا سلائی نکالکر عظیم نے طاق میں رکھی ہوئی موم بتی جلائی۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ فیروز کی روح خشک ہوگئی۔ سانس حلق میں آکر اٹک گیا۔ موت اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ کتنی بے وقوفی کی تھی اُس نے عظیم کے پیچھے آکر۔ جیسے جیسے عظیم گھومتا تھا، اُس کی پشت پر کھڑا فیروز بھی اس کے ساتھ ہی گھومتا رہا۔ پھر

عظیم نے پھونک مار کر موم بتی بجھا دی۔ اور تہ خانے کی سیڑھیاں اُترنے لگا۔
آگے جا کر روشنی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ اور پھر چند قدم چلنے کے بعد
اُسے ایک بہت بڑا ہال نظر آیا۔ گیس کی روشنی تاریکیوں پہ حاوی ہو گئی تھی
دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اُس نے ہال کا جائزہ لیا۔ بندوقوں، رائفلوں
اور کارتوسوں کا بُری طرح ڈھیر لگ رہا تھا۔ ایک طرف بہت کچھ پڑے تھے۔
درمیان میں ایک بڑی میز کے گرد چار پانچ کرسیاں پڑی تھیں، اُن میں سے
ایک خالی کرسی پر عظیم بیٹھ گیا۔ اور چلا کر بولا۔

"اِدھر لاؤ کم بخت کو!"

فیروز کی روح کانپ گئی۔ شاید اب وہ پکڑا جائے گا۔

لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا۔ اس نے دیکھا تین قبائلی ایک آدمی کو
رسیوں سے جکڑ کر گھسیٹے لا رہے ہیں۔ اس کا جسم لہولہان ہے سہارا دے کر
قبائلیوں نے اُس زخمی شخص کو کھڑا کیا اور اسے ایک ستون سے باندھ دیا۔

عظیم گرج کر بولا۔

"بتاتا ہے یا نہیں؟ ـــــ تجھے یہاں کس نے بھیجا تھا؟"

"مجھے کچھ پتہ نہیں، میں اپنی مرضی سے یہاں آیا تھا"

"مارو حرامزادے کو" عظیم چلایا۔

اور ایک قبائلی نے ہنٹر کھینچ کر تڑا تڑ مارنا شروع کر دیئے۔ وہ چلا رہا
تھا اور درد و کرب کی شدت سے اس کی آنکھیں باہر کو اُبل پڑی تھیں، وہ
لہولہان ہو گیا تھا، لیکن ایک بار بھی اُس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے نہ مارو۔ ہنٹر
پڑتے رہے، ہنٹر کی اُدھڑتی رہی، خون بہتا رہا، اور چیخنے کی دردناک آواز دھیرے
دھیرے مدھم ہوتی گئی اور آخر بالکل معدوم ہو گئی۔ اس کا سر ایک طرف کو

لُڑھک گیا، اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔

عظیم نے ایک فلک شگاف بھیانک قہقہہ لگایا۔ اور غرّا کر بولا۔

"عظیم کے راز جاننا چاہتا تھا، مجھ سے ٹکر لینے والا ابھی پیدا نہیں ہوا۔"

فیروز پسینے سے شرابور تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ دل باہر کو اُچھلا پڑ رہا تھا۔ میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو دیکھ کر وہ اور بھی چونکا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ دُزدیدہ نظروں سے وُہ شخص کبھی عظیم کو دیکھ رہا تھا اور کبھی لاش کو۔ ایک قیامت تھی اس کی طرف لپکا تو وہ چونکا۔ راہِ فرار کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وُہ پھر بھی اُسی راستے باہر کی طرف بھاگا۔ اور تہہ خانہ کی سیڑھیوں سے ٹکرا کر اَوندھے مُنہ گرا۔

"کون ہے؟" ایک بھیانک آواز اُبھری۔

قبل اس کے کہ کوئی اُدھر آتا، فیروز اُٹھ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

وُہ بری طرح بھاگ رہا تھا، بُری طرح ہانپ رہا تھا، ایک بار بھی اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور نریندر کے مکان کے سامنے آ کر دَم لیا۔ دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں بند کئے وہ کافی دیر تک یوں ہی کھڑا رہا۔ چند لمحوں میں ہی اُس نے کیا کچھ نہ دیکھا تھا۔ کچھ دیر پہلے وُہ کویتا سے پیار اور محبت کی باتیں کر رہا تھا۔ پھر اُس نے قتل اور عظیم کی باتیں سُنیں۔ جو اُسی کے بارے میں تھیں ـــــ اور تہہ خانہ کا منظر یاد کر کے تو وہ ایک بار پھر سر سے پاؤں تک لرز اُٹھا۔ میز کے گرد بیٹھے ہوئے آدمی کا

خیال کر کے وُہ ٹھٹکا۔ دبے قدموں وُہ اُوپر آیا۔ کویتا کے کمرے میں ہلکی نیلگوں روشنی ابھی تک ہو رہی تھی۔ اس کا اپنا کمرہ جس میں وُہ نریندر کے ساتھ سو رہا تھا بالکل تاریک تھا۔ بدری ناتھ کے کمرے میں روشنی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ دبے قدموں وُہ اُن کے کمرے تک گیا۔ کھڑکی کے شیشے سے اُس نے جھانک کر دیکھا۔ آرام کرسی پر نیم دراز بدری ناتھ اُسی طرح اخبار بینی میں مصروف تھے، سوچ کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا وُہ، اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

واپس اپنے کمرے میں آیا، تو نریندر قدموں کی چاپ سن کر بولا۔

"کہاں گیا تھا ہے؟"

"کوثر سے ملنے ——!" بے اختیار فیروز کے مُنہ سے نکل گیا اور پھر وُہ نریندر کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ کر بولا۔ "کیا تم کوثر سے ملنے نہیں گئے تھے نریندر؟"

"اور تم میرا تعاقب کرنے گئے تھے؟" نریندر نے استفسار کیا۔

"تعاقب کرنے ضرور گیا تھا، لیکن تمہارا نہیں کسی اور کا!"

دونوں دوست اندھیرے میں بیٹھے تھے۔ ایک دُوسرے کے چہرے پر ہُویدا تاثرات سے بے خبر دونوں محوِ گفتگو تھے۔ نریندر کہنے لگا۔

"تمہیں آئے دیر نہیں ہوئی ہے۔ دشمن تمہاری گھات میں لگ گیا ہے دوست!"

"مجھے معلوم ہے، لیکن میں ڈرنے والا نہیں۔ مادرِ وطن کا سہاگ بچانے کے لئے اگر میرا خون کام آ جائے، تو میں اپنا خون دینے سے گریز نہیں کروں گا!"

فیروز کی بات سُنی اَن سُنی کر کے نریندر بولا۔

"کوثر کہہ رہی تھی عظیم کے پاس دھڑا دھڑ ہتھیار آرہے ہیں۔ بم، بارود، بندوقوں اور دیگر مہلک ہتھیاروں سے بھرے ہوئے تین ٹرک آج صبح ہی آئے ہیں، یہ سارا اسلحہ قبائلی لیڈروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ سوداگروں کے بھیس میں قبائلی باشندے ابھی سے میرپور کے بازاروں میں اور گلیوں میں گشت کرنے لگے ہیں۔ یہ ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اور جن جن لوگوں کو لقمۂ اجل بنایا جائے گا، اُن کی فہرست عظیم نے بنالی ہے۔ کوثر کہہ رہی تھی ہمیں یہاں سے کہیں اور چلا جانا چاہیئے۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟" فیروز نے پوچھا۔

"میں نے کہا — فیروز آگیا ہے، میں اُس سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔"

"بھاگنا چاہتے ہو؟ — میرپور کے باشندوں کو لٹیروں، اور شیطانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے ہو —؟؟" فیروز نے گھور کر نریندر کی طرف دیکھا لیکن اندھیرے میں اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو دوست!" فیروز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نریندر نے کہا۔ "میں موت سے ڈرنے والا نہیں، لیکن مجھے کوثر کا خیال آتا ہے بے چاری بہت پریشان ہے۔ شاید عظیم کو اُس پر شک ہو گیا ہے، اُس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ عظیم بہت ظالم ہے، وہ بہن پر ہاتھ اُٹھانے سے بھی گریز نہیں کرے گا!"

"اگر عظیم کو کوثر پر شک ہو گیا، تو یہ ہماری پہلی شکست ہو گی۔ کوثر ہی ایک ایسی ہستی ہے جو دشمن کے راز ہم تک پہنچا سکتی ہے۔ دشمن کے قلعہ میں

شگاف پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے کوثر۔ کوثر کی حفاظت سب سے مقدم ہے۔ لیکن جب گھر میں ہی قوم اور ملک کے غدار بیٹھے ہوں تو ہم دوسروں کا رونا کہاں تک روئیں؟"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" نریندر چونک کر بولا۔

"کہنے کی اب گنجائش نہیں، میں مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ تم ایک کام کرو۔ کل رات کو کوثر کو یہاں بلا لو کسی طرح ــــ میں اُس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہُوں۔"

"کل ... رات کو ... لیکن ..." کچھ سوچ کر نریندر خاموش ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں دوست! کوثر میری بھابی ہے اور میں اس کی عزّت تم سے بھی زیادہ کرتا ہُوں۔" فیروز نے کہا۔

"نہیں، یہ بات نہیں!" نریندر بولا "میں سوچ رہا تھا، کہ کل رات کی بجائے اگر دن میں ہی بات بن جائے تو کیسا رہے۔ دراصل کل سارا دن عظیم گھر سے باہر رہے گا۔ کویتا نے اپنے آنے کی خوشی میں ایک چھوٹی سی دعوت دی ہے، اس میں کوثر بھی مدعو ہے۔ کل بعد دوپہر ہی میں تمھیں اُس سے ملوا دُوں گا۔"

اور اُس کے بعد دونوں دوست آہستہ آہستہ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پلان بناتے رہے، رد کرتے رہے۔ کسی نتیجہ پہ نہیں پہنچے اور گھڑیال نے تین بجائے تو دونوں نے کروٹ بدل لی اور خاموش ہو گئے۔ نہ معلوم کب نیند نے اُنھیں اپنے غلبہ میں لے لیا۔

صبح نور کے تڑکے ہی نریندر کی آنکھ کھل گئی ۔ کھڑکی سے آتی ہوئی بسنتی ہوا نے اس کے جسم میں جھرجھری سی پیدا کر دی ۔ ایک بھرپور انگڑائی لے کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا ۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ۔ دودھیا بادل، پہاڑوں کا منہ چومتے تیزی سے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے ۔ آسمان ابر آلود تھا ۔

کھڑکی بند کر کے وہ واپس مڑا، تو اس کی نظر فیروز پر پڑی ۔ جو خوابوں کی دنیا میں گم داہنے ہاتھ کو سر کے نیچے رکھے سو رہا تھا ۔ ایک بار تو نریندر کا جی چاہا کہ وہ فیروز کو جگا دے لیکن رات کی ساری باتیں یاد آئیں تو اس نے یہی بہتر سمجھا، کہ چائے کی تیاری تک، وہ اُسے سونے ہی دے ۔

باہر آیا تو اُس نے دیکھا رسوئی گھر میں کوینا چائے کی تیاری میں نوکر کا ہاتھ بٹا رہی تھی —— بھائی کو آتے دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکان اُبھری، اور پھر وہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی ۔

"ارے تو رہنے دے —————— تو تو ہماری مہمان ہے ۔ آج کے دن تو ہمیں اپنی خدمت کرنے دے ۔"

"یہ گھر تو میرا ہے !" کوینا بھائی کو چھیڑنے کے لئے بولی ۔ "فیروز مہمان ہیں اُن کی خدمت کرو ۔"

"مہمان تو وہ بھی نہیں ہے، اس لئے اس کی خدمت کیسی —— اور تیرا گھر

کونسا ہے، اس کا بھی میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" شرارت بھری مُسکان نریندر کے ہونٹوں پر اُبھر آئی۔

"بھیّا!" لجاکر کویتا نے گردن پھیر لی۔ اور آلوؤں کے قتلے کاٹ کر بیسن میں ڈالنے لگی۔

"ایسے کون مہمان ہے، کس کی خدمت کر رہے ہو؟ —— تمہارے گھر سے جو گیا، بھوکا گیا۔"

کویتا چونکی۔ اس کی انگلی چاقو کی زد میں آتے آتے بچی۔ نریندر نے گردن پھیر کر دیکھا۔ دروازے پر راکیش کھڑا تھا۔

"ابے! — تو یہاں کب سے کھڑا تھا۔" نریندر نے راکیش سے پوچھا۔

"روزِ ازل سے —— اور ابد تک کھڑا رہوں گا —— صرف اس انتظار میں، کہ کب یہ گرماگرم پکوڑے تل کر تیار ہوں اور کب میری بھوک مٹے —— لیکن کویتا کے ہاتھ کی رفتار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسرافیل اپنا صُور پھونک دے گا، قیامت آجائے گی لیکن یہ کڑھائی چُولھے پر یوں ہی چڑھی رہے گی، کویتا کے ہاتھ اسی طرح آلوؤں کے قتلے کاٹتے رہیں گے۔ لیکن پکوڑے کبھی تیار نہ ہوں گے میں بھوکا مر جاؤں گا۔"

ایک مدھم مسکان کویتا کے ہونٹوں پر اُبھری۔ وہ راکیش کی عادت سے واقف تھی۔ صاف گوئی، خلوص دِلی، اور یگانگی —— اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ راکیش کی بات پر اُس نے ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ اور اسی رفتار سے آلوؤں کے قتلے کاٹ کر بیسن میں ڈالتی رہی۔ نوکر نے آنچ تیز کر دی۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں، کہ جناب نے مجھے صبح سویرے کیوں تکلیف دی ہے؟"

"آج میں تمہیں ایک عظیم ہستی سے ملانے جا رہا ہوں۔" نریندر بولا۔

"عظیم سے !" راکیش چڑ کر بولا " لعنت بھیجو اس پر ۔ میں باز آیا ۔"
"ابے تو اندر تو چل ۔ یا دروازے پر کھڑا بک بک کرتا رہے گا !" راکیش نے اُسے کھینچ کر اندر کی طرف دھکیلا ۔ اور کویتا سے کہنے لگا " ذرا جلدی سے چائے بنا کر آجاؤ کویتا ۔ فیروز بھی شاید جاگ گیا ہوگا ۔"
"اور پکوڑے بھی ! ــــ کبھی یہ سمجھ لو کہ اب اُن کے بننے کی باری قیامت کے دن ہی آئے گی !" راکیش نے کویتا کو یاد دلایا ۔
جواب میں کویتا صرف مسکرادی ۔
نریندر کہنے لگا ۔
"آج تجھے بھوکا نہ مارا ، تو میرا نام نریندر نہیں ۔"
"تو وہ دن کونسا تھا جس دن تم نے مرغ مسلّم کھلائے ہیں ؟ ارے میاں ! جتنا تم کھلاتے ہو اُس میں تو ہماری داڑھ بھی گرم نہیں ہوتی ۔ اُلٹا مُنہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے ۔"
اندر کمرے میں پہنچ کر راکیش سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے فیروز کو دیکھ کر مطلق نہ جھجکا ، بے تکلف دوست کی طرح بولا ۔
"آداب عرض ہے قبلہ !" پھر نریندر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا " آپ کی تعریف ؟"
"یہ میرے دوست ہیں ۔ ۔ ۔ ۔"
"یہ تو ظاہر ہی ہے ۔" راکیش بات کاٹ کر بولا " اس گھر میں دشمن نہیں آتے ۔ چاہے تم مجھے اپنا دشمن تصوّر کرو ۔ لیکن میں تمھیں اپنا یار سمجھتا ہوں ۔"
"صرف گرما گرم چائے اور پکوڑوں کی حد تک ۔" نریندر نے چھیڑا ۔
" دل پر ہاتھ رکھ کر ایمان سے کہو کہ تم نے مجھے کتنی مرتبہ چائے پلائی ہے ــ"

راکیش نے صفائی پیش کی۔

"اور تم خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ سچ کہو، کہ کتنے من پکوڑے ہضم کر چکے ہو۔"

"ہوں، پکوڑے ۔۔۔ !" ناک بھوں چڑھا کر راکیش بولا "یہ تو پکوڑوں کی خوش قسمتی ہے جو میں اُنھیں کھانا پسند کرتا ہوں۔ تم نے کبھی یہ بھی سوچا، کہ میں جب بھی تمھارے پاس آتا ہوں ایک جوڑی جوتے ٹوٹ جاتے ہیں ۔۔۔ نہ معلوم تم میرے کتنے جوڑی جوتے کھا چکے ہوگے۔"

"نہ آیا کرو پیدل ۔۔۔ خچر ہیں، ٹٹو ہیں، تانگے ہیں ۔۔۔ کس نے کہا ہے کہ پندرہ پندرہ میل پیدل چلو۔"

"تمھارا خیال ہے نظام نے مجھے متبنّیٰ بنا لیا ہے !"

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ سارے ہی نظام کے متبنّیٰ نہیں ہوتے!" نریندر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"لیکن پھر بھی اُن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔" پتلون کی دونوں جیب باہر نکال کر راکیش بولا۔ اور فیروز سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "تم ہی بتاؤ دوست! ان پھٹی ہوئی جیبوں میں نظام کی دولت آسکتی ہے؟ ۔۔۔ ہاں اس فاقہ زدہ پیٹ میں اِس گھر کے مرغن پکوڑے ضرور سما سکتے ہیں۔" پکوڑوں کی خوشبو کی تہیں اندر تک آ رہی تھیں۔ شاید کویتا چائے لے کر آ رہی تھی۔

"کیوں جھگڑتے ہو دوست!" فیروز بولا "آپ مجھ سے متعارف ہونے کے خواہشمند ہیں۔ میں اپنا تعارف خود کرائے دیتا ہوں۔"

"اس کے بعد آپ کہیں گے، کہ میں اپنا تعارف کراؤں ۔۔۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کون ہوں۔" راکیش نے کہا۔

"اجازت ہو تو راکیش بھائی کا تعارف میں کراؤں!" کمرے میں داخل

ہوتے ہوئے کویتا بولی - ایک بار اس نے کنکھیوں سے فیروز کی طرف دیکھا، اور پھر پکوڑوں کی طشتری اُس کے سامنے رکھ دی - راکیش نے بلا تکلّف طشتری اپنی طرف کھینچ لی اور ایک گرماگرم پکوڑا مُنہ میں رکھ لیا -

"بس یہی ان کا تعارف ہے" ہنس کر کویتا بولی -

"اگر اسی طرح میری تعریف کرنا مقصُود ہے تو ایک پلیٹ پکوڑے اور لے آؤ -"

پیالیوں میں چائے اُنڈیلتے ہوئے کویتا نے شرارت بھری نظروں سے راکیش کی طرف دیکھا - وہ کچھ کہنے ہی والی تھی، کہ نریندر درمیان میں ہی بول پڑا -

"آج کل کھڑی پر چل رہے ہو دوست یا پیٹری پر ؟"

"ہائیں ـــ یہ کھڑی یا پیٹری کیا ہوا ـــ ؟" حیرت اور استعجاب بھرے لہجہ میں فیروز بولا -

"یہ غنڈہ نمبر ایک ہے ـــ جیب کتروں کا استاد - کھڑی یا پیٹری کا مطلب یہ ہے کہ آج کل میرپور کے غریب عوام کی جیبیں کاٹ رہے ہو، یا سرینگر میں دولتمند سیّاحوں کی ؟"

راکیش کی تعریف سُن کر فیروز چونکا - بستر پر ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا، اور معنی خیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا -

کویتا کہنے لگی -

"راکیش بھائی تو اپنوں کو بھی نہیں چھوڑتے - ایک بار شالامار گارڈن میں میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جا رہی تھی - یہ مل گئے - اپنے ساتھ قہوہ پینے کے لئے بڑا اصرار کیا - کوئی ایک درجن سہیلیاں میرے ساتھ تھیں - مناسب

جگہ نہ ملی تو ایک درخت کے نیچے پہنچ کر انھوں نے زور سے ایک سیٹی بجائی دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں چیلے جمع ہو گئے۔ بھائی صاحب نے ان سے کھانے کا سامان منگوایا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے درخت کے نیچے اچھی خاصی دعوتِ شیراز شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہم اُن سے اجازت لے کر گھوم پھر کر واپس گھر لوٹنے کی سوچنے لگے۔ تو ایک سہیلی نے اپنا پرس کھول کر روپے دیکھے وہ ندارد تھے۔ اب ہم سب سہیلیاں چونک پڑیں۔ پرس کھول کر دیکھنے لگیں۔ اور تو اور میرے پرس میں سے بھی چونسٹھ روپے تیرہ آنے غائب تھے۔ بھائی صاحب نے مجھے بھی نہ بخشا!"

"بہت بہادری کا کام کرتے ہو دوست!" سگریٹ کا گُل جھاڑ کر فیروز بولا۔

"تعریف کا شکریہ!" راکیش نے شاعرانہ انداز سے گردن جھکا کر کہا۔ پھر کویتا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "لیکن کویتا، تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ روپے میں نے اُسی دن تمہارے ہوٹل میں جا کر لوٹا دیئے تھے"

"اِس سے حادثہ کی نوعیت میں فرق نہیں پڑتا۔" نریندر نے راکیش کو چھیڑا۔

"اور نہ ہی کویتا نے اِس بات کا ذکر کیا، کہ شالامار باغ میں درخت کے نیچے میں نے اس کی سہیلیوں کو جو دعوت دی تھی، کھانا تو رہا درکنار، اس میں سے ایک بھی چیز میں نے چھو کر نہیں دیکھی تھی"۔

"واقعی یہ بہت بہادری کا کام کیا تم نے!" نریندر نے کہا۔

"اِس پر بھی تم کہتے ہو کہ میں بسیار خور اور نیت کا خراب ہوں"

"میں تو نہیں کہتا۔ کویتا کہتی ہو گی" نریندر میدان چھوڑ کر بھاگنے لگا۔

"جھوٹ!" کویتا بولی: "میں نے کبھی راکیش بھائی کی اس طور سے تعریف نہیں کی!"

"چھوڑو اس بحث کو!" فیروز بولا۔ پھر راکیش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "دوست! آج کل کھڑی پر چل رہے ہو یا پٹڑی پر؟"

"تو آپ بھی یہ شوق فرماتے ہیں؟" چونک کر راکیش نے فیروز کی طرف دیکھا، چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے پھسلتے پھسلتے بچا۔

"نہیں ـــــ میں سرمایہ داروں کے خلاف غریب عوام کو منظّم کرنا چاہتا ہوں۔ بات ایک ہی ہے۔ امیر کا روپیہ غریب کے گھر جائے۔"

"پھر تو تم میرے یار ہو ـــ!" ایک دم راکیش فیروز سے بغل گیر ہو گیا۔ چائے چھلک کر فیروز کے ہاتھ پر گری۔ لیکن راکیش نے اس پر دھیان نہ دیا۔ کہنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں اب کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ ویسے ترینہ راور کویتا نے اب تک جو کچھ بھی میرے بارے میں کہا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ میں آج کل کھڑی پر چل رہا ہوں نہ پٹڑی پر۔ بس ایک معمولی سے حادثہ نے میری زندگی کا دھارا بدل دیا ہے اور میں گذشتہ چھ ماہ سے غریب لوگوں اور کشمیری عوام کو ملک اور قوم کی خدمت کے لیئے ایک پلیٹ فارم پر منظّم کر رہا ہوں۔ تم نئے نئے آئے ہو، تمھیں شاید یہاں کی حالت کا پتہ نہ ہو۔ میرے یہ روکھے بال دیکھو، تھکی ہوئی سُرخ آنکھیں دیکھو، جسم پر جمی ہوئی میل کی پپڑیاں دیکھو۔ ان بوسیدہ کپڑوں اور پھٹے ہوئے جوتوں کو دیکھو۔ اس گھر میں میری عزت ہوتی ہے، اس لیئے بلا تکلف چلا آتا ہوں۔ کویتا بہن سے پریم ہے، اس کی یاد مجھے کھینچ لاتی ہے، ورنہ میرا یہاں کیا کام؟ کشمیر کی سرحدیں مجھے بلا رہی ہیں۔"

"ہوں ـــ" فیروز نے چائے کا کپ ٹرے میں رکھ دیا۔ اور ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اپنے گرد آلود پاؤں کو جھاڑ کر راکیش بھی کمبل اوڑھ کر فیروز کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور کویتا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ایک کپ چائے اور ـــ اور ہاں، کھانڈ نہ ڈالنا۔"

"دیکھ لے ـــ میں غلط کہتا تھا کیا؟" نریندر نے کویتا کو چھیڑا۔

"بھیّا ـــ!" شکایت بھری نظروں سے کویتا نے نریندر کی طرف دیکھا۔

فیروز ہنس پڑا۔

"راکیش! ایک بات کا فیصلہ کر دو دوست!" نریندر بولا "میں نے کویتا سے کہا تھا کہ تو چائے میں کھانڈ کم ڈالا کر۔ تیرے ہاتھ کی چائے ویسے ہی میٹھی ہوتی ہے۔"

"بالکل ٹھیک!" راکیش نے نریندر کی تائید کی۔ "میرا خیال ہے کویتا جس کے گھر جائے گی اُس کے گھر کم از کم کھانڈ کا خرچہ تو کم ہو جائیگا۔"

اس پر ایک فلک شگاف قہقہہ پڑا۔ تینوں دوستوں نے شرارت بھری نظروں سے کویتا کی طرف دیکھا۔ مصنوعی غصّہ کی جھلک اس کے چہرے پر اُبھری اور وہ کہنے لگی۔

"میں پاپا سے شکایت کر دوں گی، آپ مجھے تنگ کرتے ہیں۔"

"پاپا ہیں ہی نہیں ـــ دوسری نگر گئے ہیں۔ ہفتہ بھر گھر پہ ہمارا راج رہے گا۔"

"ہاں، تو دوست، تم کیا کہہ رہے تھے؟" بات کا موضوع بدلنے کیلئے فیروز نے کہا۔

"میں سرحدوں پر گھوم کر آیا ہوں۔ چھ مہینے سے سنگلاخ چٹانوں سے
سر پھوڑتا پھر رہا ہوں۔ کشمیر آتش نشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑا ہے۔ وہ پہاڑ
کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ قبائلی لٹیرے سرحدوں پر جمع ہیں۔ کابل، قندھار،
صوبہ سرحد کے پٹھانوں اور بلوچی لیڈروں کو دولت اور عورت کا چکمہ دے کر
کشمیر میں لوٹ مار کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ قبائلی لٹیرے آج میرپور
کے بازاروں میں، گلی کوچوں میں سوداگروں کے بھیس میں گھوم رہے ہیں ـــ
لٹیروں کو جدید اسلحہ سے لیس کیا جا رہا ہے اور کوئی غیر ملکی حکومت [illegible]
طور پر گولے، بارود، بم اور بندوقیں سپلائی کر رہی ہے۔ کشمیر کی آزادی،
کشمیر کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اور کشمیر کے سادہ لوح عوام سوئے پڑے ہیں۔" فیروز بولا۔

"ڈوگرہ حکومت کے خلاف کشمیری عوام میں انتقامی جذبہ پایا جاتا ہے۔"
راکیش بولا۔ "لیکن کشمیر کی قسمت کا فیصلہ اس طور پر نہیں ہوگا۔ ڈوگرہ حکومت
کو ختم کرنے کے لیے غیر ملکی ایجنٹوں کو لوٹ مار کرنے دیں، قبائلی لٹیروں کو لوٹ
کھسوٹ کرنے دیں، کشمیر کو تہ و بالا کرنے کی اجازت دیں، یہ کہاں تک مناسب
ہے۔ سب سے پہلے ہمیں متحد ہو کر لٹیروں کا مقابلہ کرنا ہے۔ کشمیر کی قسمت
کا فیصلہ کرنا بعد کی بات ہے۔" راکیش نے کہا۔

"ہندوستان نے کشمیر کو تحفظ اور اندرونی آزادی و خود مختاری کا
پورا یقین دلایا ہے۔"

"اور وطن فروش، قومی غدار مادرِ وطن کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ روپہلی
سکوں کی چمک نے ان کی آنکھیں خیرہ کر دی ہیں۔" فیروز بولا۔

"شکوہ آباد میں آگ لگی ہے۔ لٹیروں نے حملہ کر دیا ہے۔" راکیش بولا۔ "میں

کہتا ہوں، کہ یہی حالت رہی تو سارے کشمیر میں آگ لگے گی۔ بچّوں کو ماؤں کے سامنے قتل کیا جائے گا۔ عورتوں کی عزّت و عصمت لوٹی جائے گی، خون کی ندیاں بہیں گی۔ چیخ و پکار، آہ و کرب سے سارا کشمیر گونج اُٹھے گا۔"

"ہمیں کچھ کرنا چاہیئے۔" نریندر فکرمند ہو کر بولا۔

نوکر چائے کے برتن اُٹھا کر لے گیا تو کویتا بولی۔" انسان انسان کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔"

"مذہب کی آڑ لے کر دلوں میں منافرت کا بیج بویا جا رہا ہے۔ فرقہ پرستی یا تعصّب کیا ہوتا ہے، کشمیری عوام اس سے واقف نہ تھے۔ لیکن آہ، خود غرض چند لوگوں اور میر جعفروں نے مذہب کی آڑ میں عوام کے جذبات کو بھڑکا دیا ہے۔ مسلمان ہندو کے خون کا پیاسا ہے اور ہندو مسلمان سے خوف کھاتا ہے، وہ اسی گھات میں رہتا ہے کہ کب موقع ملے، اور کب انتقام لوں۔" راکیش نے کہا۔

"لیکن دوست! اگر بلوچی ڈاکو، قبائلی غنڈے کشمیر میں آگئے تو ہندو اور مسلم کی تفریق مِٹ جائے گی۔ مذہب کی دیواریں ایک خاص حد تک انسان کو روکتی ہیں، اور جب انسان ان حدود کو پار کر جاتا ہے تو مذہب کا واسطہ دے کر بھی اُس کے جذبات کو، بھڑکتی ہوئی آگ کو فرو نہیں کیا جا سکتا۔ اور قبائلی لُٹیرے اور بلوچی غنڈے کونسے انسان ہیں۔ شیطان کا لبادہ اوڑھ کر جب قبائلی غنڈے کشمیر میں داخل ہوں گے، سارا کشمیر جل رہا ہو گا تو مذہب کی دیواریں کہاں رہیں گی۔ کون دیکھے گا کہ یہ ہندو ہے اسے قتل کرو، یہ مسلمان ہے اسے نہ مارو۔ گلی کوچوں میں شیطان رقص کرے گا، بربریت ننگا ناچ دکھائے گی۔ اور اس آگ میں ہندو اور مسلمان دونوں جلیں گے۔ ان میر جعفروں

سے پوچھو، اُن وطن فروش جے چندوں سے پوچھو، اُن قومی غداروں سے پوچھو کہ مادرِ وطن کی عزت لُٹوا کر تمھیں کیا حاصل ہوگا؟"

دروازے پہ ہلکی سی تھاپ ہوئی۔

نریندر نے نیچے جھانک کر دیکھا، کوثر کھڑی تھی۔

"کون ہے؟" فیروز نے پوچھا۔

"کوثر ہے۔" نریندر بولا۔ "کویتا تم اُسے بلا لاؤ۔"

کویتا چلی گئی تو راکیش بولا۔

"عظیم کی بہن سے تمہارے تعلقات بدستور قائم ہیں؟ میں نے سُنا ہے قبائلی لیڈروں سے عظیم کا براہ راست تعلق ہے، سرحدوں پہ اسلحہ اُسی کی معرفت بھیجا جا رہا ہے اور وہ میرپور کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔"

"تم نے ٹھیک سُنا ہے!" نریندر اُداس ہو کر بولا۔ "ایک طرف عظیم کھڑا ہے اور دوسری طرف میں۔ بیچ میں ایک گہری کھائی ہے۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہے، ساری ہندو قوم کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا چاہتا ہے۔ ظاہرا طور پہ وہ مجھ سے ہنس کر ملتا ہے، پاپا سے اس کے برادرانہ تعلقات ہیں۔ لیکن اس کے دل میں نفرت کی جو آگ بھڑک رہی ہے، اُس کی آنکھوں میں جو شعلے چھپے ہیں، وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ یہ تفریق کبھی ختم ہوگی یا نہیں۔ کون جانے ــ؟ اور کوثر بھی اُس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔ اپنے بھائی کی عادات اور بگڑے ہوئے چلن سے وہ پریشان ہے۔"

کمرے میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف سانسوں کی آمد و رفت اس سکوت کو توڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ کویتا کے کمرے میں سسکیوں

کی آواز سُن کر نریندر چونکا۔ تھوڑی دیر بعد کوثر آئی اور نریندر کو بلا کر لے گئی۔

راکیش کہنے لگا۔

"ہمیں عظیم پر کڑی نظر رکھنی ہے اور کوثر کا خیال رکھنا ہے عظیم کے مورچہ میں شگاف پیدا کرنے کے لئے کوثر ہماری بہت امداد کر سکتی ہے۔"

"لیکن اگر عظیم کو ذرا سا بھی شک ہو گیا، تو وہ کوثر کو قتل کر دے گا، وہ یہ نہ دیکھے گا، کہ کوثر اس کی بہن ہے۔"

تھوڑی دیر بعد نریندر آیا، اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"غضب ہو گیا فیروز!— عظیم کے پاس دھڑا دھڑ اسلحہ آ رہا ہے، اور عظیم نے اپنے ساتھی میرپور کے گلی کوچوں میں تعینات کر دیئے ہیں، کسی بھی وقت یہاں دنگا ہو سکتا ہے۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔" راکیش نے کہا۔

"کوثر کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ عظیم کو فیروز کی آمد کا اور اُس کے مقصد کا علم ہو گیا ہے، اس کی جان خطرے میں ہے، کسی بھی وقت اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔"

"ہوں — فیروز کی جان خطرے میں ہے!" راکیش نے منہ بنا کر کہا۔ "میں کہتا ہوں سارے ہندوؤں کی جان خطرے میں ہے۔ سارے قوم پرست مسلمانوں کی جان خطرے میں ہے۔"

"تم ایک کام کرو دوست!" فیروز نے نریندر سے کہا۔ "کوثر سے کہو میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر اُسے اعتراض نہ ہو تو...."

"وہ بہت نیک لڑکی ہے۔" نریندر نے جواب دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔

تم بخوشی اس سے مل کر حالات کا صحیح جائزہ لے سکتے ہو۔"

"لیکن پھر بھی اس کی اجازت لینا ضروری ہے۔"

نریندر کے ساتھ ہی اُٹھ کر فیروزہ اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

کویتا کے کمرے کے پاس جا کر فیروزہ تو باہر رُک گیا۔ لیکن نریندر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کویتا باہر آئی اور فیروز سے کہنے لگی۔

"آپ اندر چلیں، میں راکیش بھائی کو بُلا لاؤں۔"

اندر جا کر فیروز نے دیکھا سفید چٹے رنگ کی ایک دُبلی پتلی لڑکی گٹھری بنی ہوئی کویتا کے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اُس کے اُداس چہرے پر صبح کی شفق پھُوٹ رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی بے قراری اور ایک عجیب قسم کی یاسیت تھی۔ خزاں رسیدہ خشک پتوں کی طرح اس کے ہونٹ پھڑ پھڑائے۔ فیروز کو آداب کرنے کے لئے اس کا ہاتھ پیشانی تک گیا۔ چوڑیوں کی کھنک سے فضا میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا۔ گردن ہلا کر فیروز نے آداب کا جواب دیا اور کُرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

دروازے سے ہی راکیش کی آواز اُبھری۔

"دخل در معقولات ـــــ بندہ حاضرِ خدمت ہو سکتا ہے؟"

"آجاؤ دوست! تمہارے بغیر ہم کوئی فیصلہ بھی تو نہ کر سکیں گے۔"

اُلجھے بال، بوسیدہ کپڑوں اور السائی ہوئی خمار آلود آنکھوں والے نوجوان راکیش کی طرف دیکھ کر کوشلیا کچھ چونکی اور پھر بولی۔"آپ؟"

"پہچان لیا تم نے! ـــــ میں تمھیں وہیں پہچان گیا تھا۔" راکیش مسکرا کر بولا۔ پھر کویتا، فیروز اور نریندر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔"گذشتہ دنوں بارہ مولہ کے مورچہ پر ہتھیار تقسیم کرنے عظیم گیا، تو ....

..... میں بھی اُن دنوں بارہ مولہ میں قبائلی پٹھانوں کا بھیس بھر کر گیا ہوا تھا میں نے بھی عظیم سے دو بندوقیں اور کچھ کارتوس حاصل کیے تھے۔ کوثر ان دنوں عظیم کے ساتھ تھی۔ وہیں کوثر نے مجھے دیکھا ہوگا۔"

سوالیہ نظریں کوثر کے چہرے پر گڑ گئیں۔ مسکرا کر کوثر نے اثبات میں سر ہلادیا۔

نریندر کہنے لگا۔

"بہت چھپے رستم ہو دوست! ـــــ لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں"

"میں نے سوچا" چلو ان کا کچھ اسلحہ تو ضائع ہوگا ہی۔ لیکن کوثر کی یادداشت کی تعریف کرنا پڑتی ہے"

"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ عظیم کب واپس آئے گا؟" فیروز نے کوثر سے پوچھا۔

"بھائی جان یہیں ہیں"

"میں نے سُنا ہے وہ آج سرینگر گیا ہے' اور کسی کام سے چاچا بدری ناتھ بھی سری نگر گئے ہیں!"

اس موقع پر اپنے پتا بدری ناتھ کا نام سُن کر نریندر چونکا۔ معنی خیز نظروں سے اُس نے فیروز کی طرف دیکھا۔ اور وہ کچھ کہنے ہی والا تھا، کہ کوثر بول پڑی۔

"بدری ناتھ بھی کہیں نہیں گئے ہیں"

"ہاں فیروز!" کوثر کو جیسے کچھ یاد آگیا۔" کوثر نے ایک اور بات بتائی ہے۔ میرا تو دل دہل گیا ہے یہ بات سُن کر!"

"یہ کہتی ہے، کہ پاپا عظیم سے ملے ہوئے ہیں اور میرپور کے ہندوؤں کو مروانا چاہتے ہیں؛"

"اور آپ کو بھی!"، فیروز کی طرف اشارہ کر کے کوثر بولی۔

"شک تو مجھے بھی ہے۔ لیکن تصدیق نہیں ہوتی؛" فیروز بولا۔ وہ سوچ نہیں پا رہا تھا کہ ہو کیا گیا ہے۔

بالآخر وہ بولا۔

"بھئی جب تک پورا یقین نہ ہو جائے، یوں بزرگوں پر کیچڑ اُچھالنے سے کیا حاصل؟"

"میں نے جس گھر کو اپنا مانا ہے اُس گھر کے بزرگوں کے خلاف ایک لفظ کہنا گناہِ عظیم سمجھتی ہوں۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ سارے میرپور میں آگ لگ جائے، تمام کشمیر تباہ و برباد ہو جائے۔ میں اپنے مُنہ سے اُف تک نہیں کروں گی، ایک بار بھی نہیں کہوں گی کہ اس گھر کے بزرگوں کا نام قومی غدّاروں میں لیا جا سکتا ہے۔ میں بہت دنوں سے یہ بات جانتی تھی لیکن آج ایک ایسا وقت آن پڑا ہے جب مجھے اپنی زبان کھولنا پڑ رہی ہے۔"

اور کوثر سسک سسک کر رونے لگی "جسے میں نے اپنا سرتاج مانا ہے، خوابوں میں جس کی پرستش کرتی ہوں، جس کے ساتھ میری زندگی بھر کی خوشیاں وابستہ ہیں اگر اس کی جان لینے کی سازش کی جائے تو میں یہ سب کچھ کیونکر برداشت کر سکتی ہوں؟"

اور کوثر کویتا کے سینے میں سر چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کویتا کی بھی آنکھیں چھلچھلا آئیں۔

"آپ میرے ساتھ ذرا اِدھر آئیں؛" بھرّائی ہوئی آواز اور روندھے

ہوئے گلے سے کوثر بولی "میں اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے سب کچھ بتا دوں گی "!

"تم پر شک نہیں ہے " فیروز بولا "میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہوں لیکن سوچ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ ہوا کیونکر؟ کیا انسان کا خون اس قدر سستا ہو گیا ہے کہ اپنے اور پرائے میں بھی تمیز نہیں کرتا؟"

کوثر کے ساتھ چاروں اوپر آئے۔ پدری ناتھ کے آراستہ پیراستہ کمرے میں ایک قد آدم طلائی فریم میں جڑی ہوئی تصویر کے سامنے کھڑی ہو کر کوثر بولی۔

"بالکل ایسی ہی تصویر عظیم بھائی کے کمرے میں آویزاں ہے۔ جب بھی میں کویتا بہن سے ملنے آتی تھی، یہ تصویر میری آنکھوں میں کھٹکتی تھی عظیم بھائی کے کمرے میں ایسی تصویر کے پیچھے چور دروازہ ہے جو خفیہ تہ خانوں تک جاتا ہے، اب جب میں نے کویتا کے والد کو اپنی آنکھوں سے تہ خانے میں بیٹھے دیکھا ہے تو میرا شک پختہ ہو گیا ہے "

اور پھر کوثر نے آگے بڑھ کر فریم کے داہنی طرف لگی ہوئی ایک کیل کو اوپر کھینچا۔ دیوار پر لگے کلاک نے ٹن ٹن دو بجائے۔ اور ایک چھوٹی سی چابی پنڈولم کے راستے نیچے کو پھسل آئی۔

"ذرا ..... " اُس چابی کی طرف اشارہ کر کے کوثر بولی۔

راکیش اس کا مطلب سمجھ گیا۔ کرسی پر چڑھ کر اُس نے وہ چابی نکالی اور کوثر کے ہاتھ میں تھما دی۔

جس جگہ سے کوثر نے کیل نکالی تھی، فریم پہ ہوئے اُس سوراخ میں اُس نے چابی ڈال کر اُسے گھما دیا۔ تھوڑی سی آواز کے ساتھ تصویر کچھ ہلی اور

چرمراہٹ کی آواز کے ساتھ دروازے کی طرح کھل گئی۔ چاروں بھونچکے سے کوثر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سامنے تہ خانہ تھا، نیچے سیڑھیاں جاتی تھیں اور اندھیرے میں جا کر نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھیں۔

"بند کر دو کوثر اسے۔ اگر پاپا آ گئے تو جان کی خیر نہیں" کویتا گھبرا کر بولی۔

"اطمینان رکھو۔ وہ ایک ہفتہ تک واپس آئیں گے۔ اس وقت وہ تہ خانے میں بیٹھے عظیم اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ تقسیم اسلحہ اور حملہ کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ کل وہ مورچوں پر جائیں گے اور سرحدوں پر اسلحہ بھجوانے کے لیئے گاڑیوں کا انتظام کریں گے۔"

"میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں" راکیش تہ خانے کی طرف لپکا لیکن فیروز نے اُسے روک لیا۔

"بیوقوف بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔ ہم دشمن سے بہت کمزور ہیں۔"

"اگر آپ سب لوگ مجھے اجازت دیں، تو ...." نریندر نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔ کویتا سہمی سی کھڑی تھی۔ راکیش تن کر کھڑا تھا۔ شاید خود جانا چاہتا تھا۔ کوثر کے ہونٹ خشک پتّے کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے اور فیروز دیوار سے ٹیک لگائے گہری سوچ میں مستغرق تھا۔

کچھ دیر کمرے میں بالکل سکوت طاری رہا۔ پانچوں کے پانچوں پتھر کے بُت بنے کھڑے تھے۔ اس گہرے سکوت کو بالآخر فیروز نے توڑا۔

"ٹھیک ہے، نریندر تم چلے جاؤ۔ اور کوثر بہن! اب تمھارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ قبل اس کے کہ عظیم یا اس کے ساتھیوں کو تم پر شک ہو جائے،

تم واپس گھر چلی جاؤ۔"

"میں ان ہی کے ساتھ جاؤں گی، تہ خانہ کے راستے۔ اور وہیں سے چھپ چھپا کر گھر چلی جاؤں گی۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ لیکن اتنا ضرور خیال رکھنا کہ اب، یا پھر کبھی، عظیم کو تم پہ یہ شک نہ ہونے پائے کہ اس گھر کے لوگوں سے، اس گھر کے در و دیوار سے تمھیں ہمدردی ہو گئی ہے۔ ہمارا تمہارا دوہرا رشتہ ہے، تم میری بھابی ہو، اور ملک و قوم کے تئیں بھی تمھیں اپنے فرض کو نبھانا ہے۔"

شرم کی سرخی کوثر کے رخساروں پہ لہرا گئی۔ اور اس نے کویتا کے سینے میں اپنا سر چھپا لیا۔

پھر کوثر نریندر کے ساتھ تہ خانہ میں چلی گئی۔ اور دروازہ بند کرنے کے لئے وہ بٹن دبانا چاہتی تھی کہ راکیش بولا۔ "دوست! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ عظیم کے پاس جو اسلحہ ہے وہ کونسی ساخت کا ہے۔" اور قبل اس کے، کہ نریندر کوئی جواب دیتا، یا کوثر کچھ کہتی، راکیش لپک کر تہ خانہ میں چلا گیا۔ کوثر نے دیوار میں لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ تصویر اپنی جگہ پہ آ گئی، تہ خانہ بند ہو چکا تھا۔

کوئی ایک گھنٹہ تک کویتا اور فیروز، راکیش اور نریندر کا انتظار کرتے رہے، لیکن اُن دونوں میں سے کوئی بھی نہ آیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا، دونوں کی پریشانی بڑھتی گئی۔ فکر و تفکر کی پرچھائیاں اُن کے چہرے پر ہویدا تھیں۔ نہ رہ کر اوپر بدری ناتھ کے کمرے کی طرف ان کا دھیان جاتا تھا شاید خفیہ تہ خانے کے راستے دونوں آگئے ہوں۔

کتنی عجیب بات ہے، تنہائی تھی، دو پیار بھرے دل تھے، جوان دھڑکنیں تھیں، اُمنگیں اور آرزوئیں تھیں۔ لیکن وہ تنہائی دونوں کو پیار ڈکھانے کو دوڑ رہی تھی۔ جوان دلوں کی دھڑکنوں پر قومی ترانوں کی گت بج رہی تھی۔ ساری اُمنگیں اور ساری آرزوئیں مادرِ وطن کی خدمت اور قومی تحفظ سے وابستہ تھیں۔

ایک بار بھی فیروز نے نہ کہا۔

"تم بہت حسین ہو کویتا ـــــ تمہارے پاس خوبصورت جسم ہے، تمہارے پاس رنگین جوانی ہے، تمہارے جسم میں خوشبوؤں کے انبار ہیں، تمہاری آنکھوں میں شراب ایسی مستی ہے، تمہاری آنکھوں میں کالی راتوں کا حسین جادو بسیرا کئے ہوئے ہے۔ تمہاری آواز میں گنگا کی لہروں جیسی روانی ہے۔ میں تمہارے بغیر ایک پل زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اور نہ ہی کویتا کے منہ سے ایک لفظ نکلا۔ اپنی بڑی بڑی پلکوں کی جھالریں اٹھا کر اس نے ایک بار فیروز کی طرف دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔ یہ بھی نہ کہا کہ

"میں نے محبت کے جو پھول تمہارے قدموں میں نچھاور کر دیئے ہیں دیوتا! انھیں کب قبول کرو گے؟ محبت کے پریم ساگر کی لہروں میں ڈوب کر میں نے جو سحر آفریں نغمہ گایا ہے کہیں وہ درد و کرب میں ڈوبی ہوئی صدا تو نہیں بن جائے گا؟"

نہ معلوم دونوں کیا سوچ رہے تھے۔ پتھر کے بت بنے بیٹھے تھے۔ ایسا جان پڑتا تھا، کہ دونوں کے جسموں میں سانسوں کی آمد و رفت۔ جاری ہے اور بس!

نیچے شور کی آواز سن کر فیروز چونکا۔ کویتا نے نیچے جھانک کر دیکھا، ایک عورت ہراساں و پریشان بھاگی چلی آ رہی تھی۔ اور ان کے گھر کے پاس کھڑی ہو کر چھپنے کی جگہ تلاش کر رہی تھی۔

فیروز تیزی سے نیچے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھول کر اس نے عورت کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ عورت کچھ جھجکی اور پھر اندر آ گئی۔ فیروز دروازہ بند کرنے ہی والا تھا، کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی، اور فیروز کے کانوں کی لو کو چھوتی ہوئی دیوار میں دھنس گئی۔

گولی عظیم کے گھر کی طرف سے آئی تھی۔

ایک دم فیروز کے ذہن میں بجلی سی کوندی۔ اس نے عورت کا گلا دبوچ لیا اور چلا کر بولا۔

"سچ سچ بتا، تیرا کیا نام ہے؟ اور تو کیا چاہتی ہے؟"

شور کی آواز سُن کر کوبیتا بھی نیچے آگئی۔ اُس عورت کو بچاتے ہوئے بولی ـــــ

"ارے، ارے، کیا کرتے ہو، جان سے مار ڈالو گے کیا؟"

فیروز نے پوری قوت لگا کر اُس عورت کو دھکّا دیا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ تیورا کر زمین پر گر پڑی۔

فیروز زور سے گرج پڑا۔

"بدتمیز لڑکی! بتاتی کیوں نہیں، تُو کون ہے؟"

"میں میں..... لتا ہوں...... ہندو ہوں..... میری جان بچالو..... مسلمان غنڈے مجھے جان سے ماردیں گے۔"

"ہندو اور مُسلمان کی بچّی، سچ سچ بتا تُو کون ہے؟" فیروز نے ایک بھرپور تھپڑ اس کے مُنہ پہ مارا۔ اُس کی آنکھیں باہر کو اُبل آئیں۔ کوبیتا کو پرے دھکیل کر فیروز نے پھر اس عورت کی گردن دبوچ لی، ـــــ اور چلّا کر بولا۔

"یہ نہ سمجھ، کہ تُو عورت ہے تو میں تیری جان بخش دُوں گا۔ میں تجھے مار ڈالوں گا، ورنہ سچ سچ بتادے کہ تُو کون ہے؟"

"مَیں..... مَیں..... را..... را..... رابعہ....." رابعہ اٹک اٹک کر بولی۔

"ہندو لڑکی کا سوانگ رچا کر اس گھر میں پناہ لینے آئی تھی، تاکہ دروازہ کھُلے اور سنسناتی ہوئی گولی میرے سینے سے پار ہو جائے ـــــ اب وُہی گولی تیرے سینے سے پار ہو گی۔" فیروز کے سر پہ بھوت سوار تھا۔ کوبیتا سے مخاطب ہو کر وُہ بولا "کوبیتا! لانا ذرا نریندر کی بندوق!"

"رہنے دو فیروز!" رابعہ کو چھڑاتے ہوئے کویتا بولی "کیوں ناحق بیچاری کے خون سے ہاتھ رنگتے ہو؟"

"یہ بے چاری ہے؟" غرّا کر فیروز بولا "اس جیسی عورتیں کشمیر کے ماتھے پر کلنک ہیں۔ ان کا مر جانا ہی بہتر ہے۔" گریبان سے پکڑ کر فیروز نے رابعہ کو اُٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر دھکا دے دیا۔

رابعہ گڑگڑا کر بولی۔

"تم نے میری جان بخشی، میں اِس احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گی۔"

"تم جیسی وطن فروش عورتوں سے مجھے نفرت ہے۔ اور نہ ہی میں تم سے کوئی توقع رکھتا ہوں" اور فیروز نے دروازہ بند کر لیا۔

کویتا بے اختیار فیروز سے چمٹ گئی اور اس کے سینے میں اپنا سر چھپا کر کہنے لگی۔

"تم یہاں سے کہیں چلے جاؤ فیروز! ــــ جب امن وامان ہو جائے گا، تو واپس آجانا۔"

"تمھارے قدم ڈگمگا رہے ہیں کویتا، کشمیر کی آزادی خطرے میں ہے، اور اس وقت تم فرار کی راہیں سجھا رہی ہو۔ تم نے بہت بُرا کیا جو رابعہ کو چھڑا دیا۔ اُس کا مر جانا ہی بہتر تھا۔"

"تم بچ گئے، میرے لئے یہی سب کچھ ہے!" فیروز کی نم آلود پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کویتا بولی۔

"تم میری کمزوری ہو، کہیں میرے قدم نہ ڈگمگا دینا" کویتا کی بھیگی پلکوں کو پونچھتے ہوئے فیروز نے کہا "لیکن ایک بار پھر میں اپنے قول کو دوہرا رہا ہوں۔ پیار کی راہیں چاہے کتنی ہی خاردار ہوں، میں ثابت قدم رہوں گا۔

لیکن مادرِ وطن کی خدمت کا جذبہ میرے پیار کے جذبہ پہ حاوی ہے کشمیر کی آزادی کی حفاظت میں اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں" پھر وہ کویتا کو اپنی آغوش میں لے کر بولا " کون جانے کل کیا ہو کویتا۔ کشمیر آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پہ کھڑا ہے ۔آج نہیں تو کل وہ پہاڑ پھٹ کر رہے گا ۔اس کے بعد کیا ہوگا اس کے احساس سے ہی روح کانپتی ہے۔ ہوسکتا ہے ہم دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں، کون جانے پھر کب ملنا ہو، کیا ....."

" میں جنم جنم تک تمہارا انتظار کروں گی دیوتا! یہاں نہیں تو کہیں اور۔ اس جنم میں نہیں تو کسی اور جنم میں، ہم ملیں گے ضرور!" اور کویتا نے اپنی لمبی لمبی بھیگی پلکوں سے فیروز کے ہاتھوں کو بوسہ دیا ۔اور اس کے قدموں کی خاک سے اپنی مانگ بھر کر کہنے لگی " میں اپنے قول اور فرض میں ثابت قدم رہوں گی میرے دیوتا ــــ اپنی کویتا کو تم نے جو منزل دکھائی ہے اُس منزل پہ پہنچ کر ہی میں اپنے دیوتا کو تلاش کروں گی۔ جب میں تمھیں بلاؤں گی تو آؤ گے نا؟" اور اس کی آنکھیں چھل چھل برسنے لگیں۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے اس نے ایک بار جی بھر کر فیروز کی طرف دیکھا اور اس کے سینے میں سر چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اور نریندر کی آواز نے اُنھیں چونکا دیا۔

وہ اوپر کھڑا چلّا رہا تھا۔

"ارے کوئی ہے؟ —— کہاں چلے گئے سب؟؟"

بھیگی ہوئی آنکھوں کو پونچھتی، بالوں کی اُلجھی ہوئی پریشان لٹوں کو سنوارتی، ساڑھی کی بے ترتیب سلوٹوں کو درست کرتی کویتا تیزی کے ساتھ فیروز کے پیچھے پیچھے اوپر کی طرف لپکی۔

فیروز کو دیکھ کر نریندر چلّایا۔

"غضب ہو گیا فیروز! —— بالاکوٹ، گڑھی حبیب اللہ، مظفرآباد، بارہ مولہ میں فساد ہو گیا ہے، چاروں طرف آگ لگی ہے!"

فیروز نے دیکھا راکیش اور نریندر دونوں گھبرائے ہوئے تھے۔ غم و غصّہ کے ساتھ اُن کے چہرے سے خوف و ہراس بھی ہویدا تھا۔ آنکھوں سے شعلے بھڑک رہے تھے۔ پیشانی نم آلود تھی، اور دونوں گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔

چاروں جب کمرے میں آکر بیٹھ گئے تو نریندر بولا۔

"نوکر کہاں گیا؟"

"نہ جانے کہاں گیا ہے، بہت دیر سے غائب ہے۔" کویتا نے کہا۔

دروازہ بند کر کے نریندر اپنی کرسی پہ آکر بیٹھ گیا اور بولا۔

"پاپا باغی ہیں فیروز ـــ !"

"غدار کہو ـــ اگر چچا بدری ناتھ غدار ہیں، تو ہمیں اُن کا بھی علاج کرنا پڑے گا۔ سب رشتے ناطے، دوستیاں اور تعلقات نظر انداز کر کے ہمیں کشمیر کی حفاظت کرنا ہوگی۔" فیروز نے کہا۔

"میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ قبائلی سرداروں کے ساتھ پاپا اور میرپور کے چند مسلمان قتل عام کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ دھڑا دھڑ اسلحہ آ رہا ہے۔ قبائلی سرداروں کو نقد روپیہ بھی دیا گیا ہے۔"

"میرپور میں لوٹ مار اور قتل و غارت مچانے سے پہلے وہ لوگ فیروز تمہیں اور نریندر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔" راکیش بولا۔ "عظیم کا خیال ہے کہ فیروز اور نریندر کا صفایا کر دیا جائے تو کشمیری عوام بلا چون و چرا ہتھیار ڈال دیں گے۔"

"قبائلیوں کو صرف ایک چیز سے غرض ہے!" نریندر بولا۔ "دولت اور عورت ـــ اور اسی چیز کا لالچ دے کر انھیں کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے ورغلایا گیا ہے۔"

"ایک موقع مجھے اور دیجئے۔ میں آج رات خود عظیم کے گھر جا کر کوثر سے ملوں گا۔ اگر میرے طے شدہ پلان کے مطابق اس نے خوش اسلوبی سے کام کو سرانجام دیا، تو یوں سمجھ لو، نہ عظیم رہے گا نہ لٹیرے رہیں گے!"

"میرا خیال ہے اب یہاں میرپور میں رہنا خطرے سے خالی نہیں!" راکیش نے صلاح دی۔ "میں بھاگ جانے کا مشورہ نہیں دے رہا، اپنا ہیڈ کوارٹر تبدیل کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ جس گھر کے در و دیوار ہمارے دشمن ہیں، جس گھر میں ہم محفوظ نہیں، اس گھر کو آگ لگا دینا بہتر ہے۔ جب باپ بیٹے کے مقابلے میں

کھڑا ہے، تو یا تو باپ کو راستے سے ہٹا دو، یا خود منزل پہ پہنچنے کے لئے راستہ بدل لو۔"

"کون ہے جو مجھے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے!" فضا میں گرجدار آواز گونجی، ارتعاش پیدا ہوا، اور پھر گہرا سکوت چھا گیا۔

بدری ناتھ کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر راکیش، فیروز اور نریندر میں سے کوئی بھی نہ چونکا۔ کوئی غیر متوقع بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن کویتا سہم کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی تھی، وہ کبھی بدری ناتھ کو دیکھ رہی تھی اور کبھی فیروز، نریندر اور راکیش کو!

بھاری کرخت آواز پھر گونجی۔

"مجھے پتہ نہیں تھا، کہ تم لوگ ایک ساتھ مل کر کشمیر کو تباہ کرنے کی سازشیں کرو گے۔"

"کشمیر کی تباہی کے سامان آپ پیدا کر رہے ہیں پاپا یا ہم؟" نریندر کڑک کر بولا۔

بدری ناتھ پھر چیخے۔

"خاموش ہو جا بدزبان لڑکے! وقت کی آواز سن، یہ دیکھ کہ کشمیر کیا چاہتا ہے، ہماری بہتری و بہبودی کس میں ہے؟"

نریندر بھی تیزی سے بولا۔

"اگر آپ کشمیر کو لٹیروں سے لٹوا کر اس کی بھلائی کے سامان پیدا کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ ...."

نریندر کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا، کہ چپکے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر فیروز نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"دیکھ نریندر! اگر تو اپنی جان کی خیر چاہتا ہے، تو اِن بے وقوفوں کے بہکائے میں مت آ۔ تُو کشمیر میں راج کرے گا۔"

"میں تمہاری ہر تجویز اور خواہش پر تھوکتا ہوں۔" نریندر نے کڑک کر کہا۔

"تو آج سے تُو اِس کمرے میں قید! ــــ میری مرضی کے بغیر قدم باہر نکالا تو گولی مار دوں گا۔" بندوق کو ہوا میں اُچھالتے ہوئے بدری ناتھ بولے "اور تُو بھی سُن لے لڑکی!" اب کوینا کی باری تھی، وہ اور بھی سہم گئی ــــ بدری ناتھ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر آج سے تُو نے اِن غنڈوں سے تعلّقات قائم رکھنے کی کوشش کی، تو میری بندوق ہوگی اور تیری لاش۔ میں بغاوت پسند نہیں کرتا۔ اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ میرے گھر میں بغاوت پنپ رہی ہے تو میں تم سب کو گولی مار دیتا!" بدری ناتھ نے بندوق کی لبلبی پر ہاتھ رکھا، ایک ہوائی فائر کیا اور معنی خیز نظروں سے فیروز کی طرف دیکھ کر بولے "مجھے معلوم ہے تم کیا چاہتے ہو۔ تمہاری اچھی طرح خاطر تواضع کر دی جائے گی۔" اور پھر وہ راکیش سے مخاطب ہو کر بولے۔ "گلیوں میں آوارہ گھومنے والے کُتّے! تیری یہ جرأت کہ ہمارا مقابلہ کرے؟ وطن کی حفاظت کرے گا؟ کشمیر کی خدمت کرے گا؟ اپنی خدمت کرنے کا جذبہ تیرے دل میں نہیں، بھوکوں مرتا ہے۔ لیکن قوم کی خدمت کے لئے اُدھار کھائے بیٹھا ہے۔ تیری بوٹیاں نچواؤں گا چیلوں اور گِدّھوں سے۔ نمک حرام! جس گھر میں تُو نے نمک کھایا اُسی سے غداری کرتا ہے۔"

"میں غدار نہیں، غدار آپ ہیں ــــ!" راکیش طیش میں آکر بولا۔

"بدتمیز مُنہ لگتا ہے ــــ!" ایک بھرپور تھپڑ راکیش کے مُنہ پر پڑا۔

تیوراکر وہ فرش پر گر پڑا۔ منہ سے خون جاری ہوگیا۔ یکبارگی اس کے ہاتھوں میں تناؤ پیدا ہوگیا، مٹھیاں بھنچ گئیں اور قبل اس کے کہ وہ بدری ناتھ کو اپنی گرفت میں دبوچ لے اُس کی نظر کویتا پر پڑی، جو اُداس اُداس نظروں سے اِس سارے تماشے کو دیکھ رہی تھی۔

غصّہ کی شدّت سے بدری ناتھ کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ بندوق کی لبلبی پر ہاتھ رکھ کر انھوں نے راکیش کی طرف نشانہ بنایا، چیخ کر کویتا اُن کے قدموں میں گر پڑی اور رحم طلب نظروں سے اُن کی طرف دیکھ کر بولی۔

"رحم کرو پاپا، رحم کرو۔ میں ان سب کو منا لوں گی۔ تینوں آپ کے کہنے کے مطابق کام کریں گے۔"

"ہٹ جا لڑکی ۔۔!" کویتا کو پرے دھکیل کر بدری ناتھ نے پھر سے بندوق سنبھالی۔ "میں اس کا خون پی کر رہوں گا۔ میں آستین میں سانپ پالنے کا قائل نہیں۔ پاگل کُتّے کا علاج ہی یہ ہے کہ اُسے گولی داغ دی جائے۔"

"آپ موقع دیں!" کویتا گڑگڑا کر بولی۔ "اگر ہمیں پہلے پتہ ہوتا کہ آپ کا منشا کچھ اس طرح سے ہے تو ہم کبھی غلط قدم نہ اُٹھاتے، آپ ہی کی بات مانتے۔ کیوں فیروز ۔۔۔!؟" کویتا نے نچلا ہونٹ دبا کر فیروز کو اشارہ کیا۔ اثبات میں فیروز نے گردن ہلا دی۔

"گواہی بھی کس غنڈے سے دلا رہی ہو، باپ کتنا شریف ہے! انگریز حکومت کا وفادار رہا ہمیشہ، اور بیٹے کے یہ کرتوت ۔۔۔ شرم سے سر جھک جاتا ہے میرا!"

"پاپا ۔۔۔ میرے اچھے پاپا ۔۔۔" کویتا بدری ناتھ کو جھنجھوڑ کر بولی۔

"ایک بار — صرف ایک بار موقع دیجیے! میں سب کو منا لوں گی۔"

"بہتر ہے!" بدری ناتھ نے بندوق نیچے کر لی۔ "آج سے تم اِس کوٹھڑی میں قید۔ نکلنے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرنا! سارا میرپور ہمارے قبضہ میں ہے۔"

"ہم ٹھیک ہو جائیں گے پاپا — سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

بدری ناتھ نے کمرے کو باہر سے تالا لگایا، چابی نوکر کے حوالے کی اور تاکید کرتے ہوئے بولے۔

"انھیں سارے گھر میں گھومنے پھرنے کی اجازت ہے لیکن اگر کوئی بھی گھر سے باہر نکلا، یا کسی نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تو تیری جان کی خیر نہیں۔"

سات دن گذر گئے۔ اور وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ اب کیا کریں ۔
یوں بدری ناتھ کے آگے ہتھیار ڈالنے والے وہ نہیں تھے ۔۔۔ نوکر آتا،
کھانا دے جاتا، حسب معمول ناشتہ بھی ملتا، اور ضروریات زندگی کی دوسری
چیزیں بھی!

تالا وہ جب چاہتے نوکر کھول دیتا۔

نوکر ہی کی زبانی اُنھیں پتہ لگا، کہ اڑی میں بھی فساد ہو گیا ہے۔ قبائلی
لیٹروں نے لوٹ مار اور قتل وخون کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ تارا شریف
آگ کی لپیٹ میں ہے اور اسلام آباد راکھ ہو چکا ہے۔ قبائلی لیٹرے آہستہ آہستہ
سرینگر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور اگر انھیں باقاعدہ اسی طرح کمک ملتی رہی
تو وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر سری نگر پہنچ جائیں گے ۔

"مجھے ایک بار ۔۔۔ صرف ایک بار کوثر سے ملنے کی اجازت دو دوستو!
عظیم کو ختم کرنے کے لئے کوثر ہی ہمارے کام آسکتی ہے۔ عظیم ختم ہو گیا،
تو قبائلیوں کو اسلحہ کی سپلائی بند ہو جائے گی۔ تمام اسلحہ، گولا بارود،
بم اور بندوقیں عظیم کی معرفت ہی قبائلیوں میں تقسیم کی جا رہی ہیں ۔۔!"
فیروز نے راکیش اور ریندر کی طرف دیکھ کر کہا۔ کویتا فرش پر لیٹی گہری نیند
سو رہی تھی۔ آج صبح ہی سے اُسے حرارت تھی ۔

نریندر نے پوچھا
"لیکن تم وہاں جاؤ گے کیونکر؟ ـــــ نیچے کڑا پہرہ لگا ہے ـــــ
شاید پاپا نے اس مکان کی حفاظت کے لئے عظیم سے کہہ کر بلوچی سپاہیوں کا
پہرہ لگا دیا ہے ـــــ اور عظیم کا گھر، گھر نہیں ہے قلعہ ہے۔ چپّہ چپّہ پہ جاسوس
گھوم رہے ہیں ـــــ قدم قدم پہ پٹھان پہرہ دے رہے ہیں۔ ایسی حالت میں وہاں
جانا جان بوجھ کر موت کو دعوت دینا ہے۔"
"میں تہ خانہ کے راستے جاؤں گا!" فیروز بولا۔
"اگر راستے میں پاپا نے پکڑ لیا تو؟"
"بات تو صحیح ہے!" کچھ سوچ کر فیروز بولا۔ "لیکن اور کوئی صورت بھی
تو نظر نہیں آ رہی ہے ـــــ یہ پتہ لگایا جائے کہ راستہ کب صاف ہوتا ہے ـــــ
بدری ناتھ تہ خانہ کے راستے کب واپس لوٹتے ہیں؟"
نریندر بولا۔
"نوکر سے پوچھتا ہوں کہ پاپا کب واپس آتے ہیں؟"
"اس بے چارے کو پتہ نہیں ہوگا۔ پتہ ہوگا بھی تو ڈر کی وجہ سے وہ
بتائے گا نہیں۔"
وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے، کہ نوکر آیا، اور کاغذ کا ایک پرزہ نریندر
کے حوالے کر کے باہر چلا گیا۔
نریندر نے کاغذ کی تہ کھولی ـــــ سرسری نظر سے تحریر کا جائزہ
لیا۔ پھر دوبارہ اچھی طرح خط پڑھا۔ اور خط پڑھ کر فیروز کی طرف
بڑھا دیا۔
خط میں کچھ اس طرح لکھا تھا۔

میرے سرتاج!

پانی سر سے گزر چکا ہے، اور آپ یہیں بیٹھے ہیں۔ آج رات تہ خانہ کے راستے خفیہ دروازے سے ہوتے ہوئے اوپر میرے کمرے میں آجایئے۔ عظیم بھائی بارہ مولہ گئے ہیں ــــ شاید دو دن تک واپس لوٹیں۔ تہ خانہ کے راستے صاف ہونگے میں اپنے مالک کا انتظار کروں گی۔

آپ کی

کوثر پردیں

فیروز کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

کہنے لگا۔

"تہ خانے کا راستہ صاف ہے دوست! تمھاری بجائے کوثر سے ملنے میں جاؤں گا۔"

راکیش بولا

"لیکن مجھے اس بات پہ شک ہے کہ یہ خط کوثر نے لکھا ہے' ہوسکتا ہے ہمارے ساتھ کوئی چالبازی کی جا رہی ہو۔"

"ہو تو سکتا ہے۔" فیروز سوچ کے گہرے ساگر میں غوطے لگانے لگا۔" اس کا جواب نریندر دے گا۔ کوثر کی چھٹیاں اس کے پاس آتی رہی ہیں۔ کیوں نریندر، یہ دستخط کوثر کا ہے؟" کوثر کی چھٹی نریندر کی طرف بڑھاتے ہوئے فیروز بولا۔

"سو فیصدی کوثر کا ــــ کوبیتا سے پوچھ لو۔"

اپنا نام سن کر خواب آلود نظروں سے کوبیتا نے تینوں کی طرف دیکھا۔

اور پھر کروٹ بدل کر آنکھیں بند کرلیں۔

"کویتا ذرا دیکھنا!" فیروز اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔ "یہ خط کوثر ہی کا ہے کیا؟"

فیروز کے ہاتھوں کے لمس سے کویتا کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی۔ یکبارگی وہ چونک کر اُٹھ بیٹھی۔

اپنے سامنے راکیش اور نریندر کو دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔ اس کی پریشانی کو راکیش بھانپ گیا، قدرے مسکرا کر بولا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے کویتا بہن! —— ذرا یہ دیکھو، کہ چھٹی کس کی ہے؟"

کویتا نے خمار آلود نظروں سے چٹھی کی طرف دیکھا۔ دھندلے، غیر واضح حروف اُس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگے۔ پھر اس نے آنکھوں کو اچھی طرح سے ملا۔ اور ایک بار پھر شروع سے آخر تک خط کو پڑھا۔ اور فیصلہ کُن انداز میں بولی۔

"خط کوثر ہی کا ہے —— !"

راکیش نے پُوچھا۔

"کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو؟"

"سو فیصدی یقین سے —— میں کوثر کا دستخط پہچانتی ہوں۔"

"پھر تو آج رات مجھے کوثر سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ اگر نریندر کو ناگوار نہ گذرے تو!" فیروز بولا۔

"ایسے نازک موقع پر میں ان سرسری اور سطحی باتوں کا قائل نہیں! لیکن ایک بات کا خیال میں رکھو دوست! اگر پکڑے گئے تو مارے جاؤ گے۔

فرار کی راہیں مسدود ہیں؟

"مَیں موت سے نہیں ڈرتا ——!" فیروز کے لہجہ میں عزم واعتماد کی جھلک تھی۔

"لیکن جان بوجھ کر موت کو دعوت دینا بھی تو بے وقوفی اور جہالت ہے۔" نریندر نے کہا۔

"معصوم بے گناہوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ لوٹ مار، قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ ماؤں کے سامنے اُن کے بچے، باپوں کے سامنے اُن کے بیٹے اور عورتوں کے سامنے اُن کے خاوند قتل کیے جا رہے ہیں اُن معصوم عورتوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ دھوپ کی تیز طرار کرنیں، جن کے جسموں کو کمھلا دیتی تھیں، آج برسرِ بازار اُن کی عزت وعصمت لوٹی جا رہی ہے۔ برہنہ عورتوں کے جلوس نکالے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھتے رہنے اور خون کا سا گھونٹ برداشت کرتے رہنے سے تو بہتر ہے جان بوجھ کر موت کو دعوت دی جائے۔ خودکشی کر لی جائے۔"

کمرے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ نریندر، راکیش اور کویتا ہمہ تن گوش تھے۔

قدرے توقف کے بعد فیروز بولا۔

"لیکن ۔۔۔ لیکن میں خودکشی کا قائل نہیں!" فیروز کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔ کچھ کر گزرنے اور مر مٹنے کے لئے وہ شاید تیار کھڑا تھا۔ "خودکشی بزدلی کا دوسرا نام ہے۔ ملک اور قوم پر قربان ہونے کا دِن آ گیا ہے، آج تمہاری آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔ تمہارے ارادے متزلزل ہوتے جا رہے ہیں، تمہارے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ میں پوچھتا

ہوں، تمھارے چہرے پر سفیدی کیوں ہے، تمھاری پیشانی پر پسینے کے قطرے کیوں جھلملا رہے ہیں، یہ ڈگمگاتے ہوئے قدم، یہ کانپتا ہوا جسم، یہ گھبلا یا گھبرایا سا انداز کہیں بُزدلی کی نشانی تو نہیں؟ — جواب دو! جواب، کیوں نہیں دیتے نریندر؟ — بولتے کیوں نہیں راکیش — ؟؟"
فیروز کے لہجہ میں بجلی کی کڑک اور طوفانوں کی شدّت تھی۔

"بزدلی کی بات نہیں میرے دوست!" دبے الفاظ میں نریندر بولا۔ "دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے ارادوں سے متزلزل نہیں کر سکتی۔ ہم کڑے سے کڑے امتحان میں بھی ثابت قدم رہیں گے۔"

"لیکن ہمیں تمھارا اِس طرح خفیہ تہ خانے کے راستے سے کوثر سے ملنے کے لئے جانا اچھا نہیں لگتا — !" راکیش نے نریندر کی بات کاٹ کر کہا۔

"نہ معلوم میرا دل کیوں گھبرا رہا ہے۔" گھُٹی گھُٹی آواز میں کویتا بولی۔

"تمھاری یہی بُزدلی میرے عزم واستقلال میں ڈگمگاہٹ کا باعث بن رہی ہے۔" فیروز بولا۔

شام تک یہی بحث چلتی رہی۔ بالآخر یہی قرار پایا کہ فیروز کو خفیہ تہ خانہ کے راستے سے جاکر کوثر سے ملنا چاہیئے۔ سب نے اس سے یہی پوچھا کہ وہ آخر چاہتا کیا ہے۔ وہاں جاکر کرے گا کیا۔ کوثر اس کی کِس حد تک امداد کر سکتی ہے۔ لیکن اُس نے کچھ بھی نہ بتایا۔ صرف اتنا کہا کہ آپ کو مجھ پر یقین ہے، اور اس یقین واعتماد کی روشنی میں مَیں اپنے قول کو، اپنے وعدہ کو نبھاتا ہوں — مادرِ وطن زندہ باد — نیا کشمیر

پائندہ باد۔"

راکیش اور نریندر نے اُسے سینے سے لگایا۔ دل میں اُٹھتے ہوئے جذبات چہرے سے ہویدا تھے۔ دل پر ہزاروں من وزنی پتھر رکھے کویتا اُبلتے ہوئے لاوے کو، پھٹتے ہوئے جوالا مکھی کو، اُٹھتے ہوئے جذبات کو مسوس مسوس کر رہ گئی۔ صبر و برداشت کی اتنی قوت نہ معلوم اس میں کہاں سے آ گئی تھی۔ ایک بار جھلملاتی ہوئی آنکھوں سے جی بھر کر فیروز کی طرف دیکھا۔ خزاں رسیدہ خشک پتّے کی طرح اس کے لب پھڑ پھڑائے شاید وہ اپنے بھگوان سے فیروز کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ اور پھر اُس نے اپنا سر فیروز کے قدموں میں رکھ دیا۔ اور اس کے قدموں کو آنسوؤں سے تر کر دیا۔ نریندر ایک ٹک اُسے دیکھ رہا تھا۔

"پاگل نہ بنو کویتا ــــ اس وقت تم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو عمر بھر پچھتانا پڑے گا۔"

"مَیں..... میں بھی تمھارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ تم مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے!"

اور قبل اس کے کہ نریندر کچھ کہے، فیروز نے اپنے پاؤں کھینچ لئے۔ کویتا اسی طرح سر جھکائے زمین پر بیٹھی رہی۔

دونوں دوستوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ اپنا اٹیچی کھول کر فیروز نے رومال میں بندھی ہوئی کوئی چیز جیب میں رکھی اور زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔

"تم میری سب سے بڑی کمزوری ہو کویتا ــــ سب سے بڑی کمزوری۔ کہیں میرے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔"

اور دروازے پر آکر...... گردن گھما کر ایک بار اس نے دونوں دوستوں کی طرف دیکھا۔ خاموش نگاہوں نے الوداع کہی اور فیروز بدری ناتھ کے کمرے میں چلا گیا۔

تہ خانے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا ہی تھا، کہ ایک بھاری گرجدار آواز سے اس کا سارا جسم لرز اُٹھا۔

"ناخلف لڑکے! شاید تیری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے ——!"

بدری ناتھ نے نریندر کو گردن سے پکڑ رکھا تھا، اور اُن کے چہرے سے قہر ٹپک رہا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ فیروز کی طرف لپکیں، فیروز نے تہ خانے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا، اور اندھیرے میں تیزی سے سیڑھیاں اُترنے لگا۔

یکبارگی وہ کسی چیز سے ٹکرایا، تیورا کر نیچے گرا اور سیڑھیوں سے لڑھکنے لگا۔ اُس کی آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچنے لگے اور سر گھومنے لگا۔

نیچے آکر اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی کہ اس کی گردن پر ایک مضبوط کرخت ہاتھ پڑا، اُس کی آنکھیں باہر کو اُبل آئیں اور دَم گھٹتا ہوا محسوس ہُوا۔

"ملت فروش! —— نمک حرام!! —— تُو نے غداری کر کے اسلام کو بدنام کیا ہے!"

عظیم کی گرجدار آواز سُن کر فیروز ہوش میں آیا۔ موت اس کے سامنے کھڑی تھی۔

گردن سے پکڑ کر عظیم اُسے تہ خانہ کے بڑے ہال میں لے آیا اور بڑی میز کے سامنے کھڑا کر کے بولا۔

ہ اِس کی کھال اُدھیڑ دو!"

"رحم کرو بھیّا، رحم کرو — !" کوثر کی آواز اُبھری۔

فیروز نے گردن گھُما کر دیکھا، عظیم کی کرُسی کے پاس فرش پر کوثر پڑی تھی۔ اس کا چاند سا مکھڑا کمھلا کر آدھا رہ گیا تھا۔ اس کی سُوجھی ہوئی آنکھوں سے پتہ لگتا تھا، کہ وہ کئی دن سے روتی رہی ہے۔ اس کے روکھے پریشان بال بکھرے ہُوئے تھے۔ آنکھوں کی چمک معدوم ہو گئی تھی۔ اور روتے روتے شاید آنسُو بھی خشک ہو گئے تھے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں اور رخساروں پر آنسوؤں کی لمبی دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔

دو قوی ہیکل پٹھان فیروز کی طرف بڑھے تو کوثر تڑپ اُٹھی۔ رحم طلب نظروں سے اُس نے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر اس کے پاؤں پکڑ لیئے۔ ایک بھرپور ٹھوکر اس کی پیشانی پر لگی۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ روندھے ہوئے گلے سے وہ بولی۔

"رحم کرو بھیّا! — رحم کرو! — خدا کے قہر سے ڈرو!!"

"رحم! — آہاہا .... آہاہا .... !!" عظیم کا بھیانک قہقہہ تہ خانے کے بڑے ہال کے سکوت کو توڑ کر خلا میں نہ معلوم کب تک گُونجتا رہا۔ "بے وقوف لڑکی! مجھے شرم آتی ہے تجھے اپنی بہن کہتے — تو اسلام کے نام پر داغ ہے — ساری مُسلمان قوم کو بدنام کیا ہے تُو نے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا، کہ تو یوں مجھے سرِعام رُسوا کرے گی، یوں مذہب و ملّت کی بدنامی کا باعث بنے گی، تو تجھے کبھی کا قتل کرا دیتا۔ خدا سے قہر سے ڈراتی ہے، پہلے میرے قہر سے ڈر!"

اور عظیم نے پوری قوت لگا کر کوثر کی کمر پر ہنٹر مارا۔ کوثر تڑپ تڑپ

گئی لیکن منہ سے اُف تک نہ کی — ایک، دو، تین — پے در پے عظیم ہنٹر کے وار کر رہا تھا — گرم گرم ریت پر پڑی ہوئی مچھلی کی طرح کوثر تلملا رہی تھی اس کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ لب خاموش تھے، اور اس کے جسم سے خون رِس رِس کر فرش پر بہہ رہا تھا۔ یکایک اُس نے گردن اُٹھا کر تیز طرار نظروں سے عظیم کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں سے قہر ٹپک رہا تھا۔ ترحمانہ نظروں میں خون کی جھلک تھی۔ انکسار بھرے لہجہ میں تندی آ گئی تھی۔

جب مارتے مارتے عظیم کے ہاتھ تھک گئے، پیشانی کا پسینہ پونچھنے کے لئے اس نے ہاتھ روکا، تو بھوکی شیرنی کی طرح اُچھل کر کوثر کھڑی ہو گئی — اور تلملا کر بولی۔

"مجھے جان سے مار ڈالو، میری بوٹیاں بوٹیاں نوچ لو، لیکن حق اور انصاف کی آواز کو تم دبا نہیں سکو گے۔ تم مجھے لاکھ بار اپنی بہن مانو، لیکن میں تمہیں ایک مرتبہ بھی اپنا بھائی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ جس بھائی کے ہاتھ ہزاروں معصوم بے گناہ بہنوں کے خون سے رنگے ہوں وہ میرا بھائی نہیں سب سے بڑا دشمن ہے۔ میرا بھائی فیروز ہے جو ابلاؤں کی جان بچانے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے گریز نہیں کرتا۔ ملک اور قوم کے تئیں اپنے فرض کو نبھانا چاہتا ہے"

تہ خانے کے بڑے ہال میں سکوت چھایا ہوا تھا۔ عظیم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کوثر پھر غرّا کر بولی۔

"اسلام کا واسطہ دیتے ہو، مذہب کا خوف دلاتے ہو، اسلام جبر و تشدّد، بربریّت اور وحشت نہیں سکھاتا۔ قتل و خون اور لوٹ مار اسلام کی تعلیم نہیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ تم کس حد تک اسلام کے اصولوں کی پیروی

کر رہے ہو۔ "اسلام خطرے میں ہے" کا فرضی نعرہ لگا کر تم نے قبائلی غنڈوں کو کشمیر پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ عورتوں کا سہاگ اُجاڑ اگیا۔ معصوم بچوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ نازک اندام حسیناؤں کو ظالم قبائلیوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اور بے گناہ عورتوں نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے عورتیں بچوں سمیت کنوئیں میں کود گئیں قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بوڑھوں کے سر آج بالاکوٹ، گڑھی حبیب اللہ مظفرآباد اور بارہ مولہ کے گلی کوچوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں ان بوڑھوں سے' ان بزرگوں سے اسلام کو کیا خطرہ تھا؟ باندی پور میں برہنہ عورتوں کا جلوس نکالا گیا ہے جنھیں تم کارنامے کہتے ہو، وہ تمہارے منہ کی کالک ہیں۔ جسے تم فتح کہہ رہے ہو وہ تمہاری شکست کا پیش خیمہ ہے آج جہلم کا پانی بے گناہوں کے خون سے رنگا ہوا ہے۔ اس جہلم میں ڈوب کر تم اپنے گناہوں کا کفارہ بھی ادا نہیں کر سکو گے۔"

"بدذات لڑکی! میں تیری زبان کھینچ لوں گا۔" عظیم گرج کر بولا۔

"میری زبان کھینچ لو۔ لیکن میری رُوح اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرتی رہے گی۔ جبر و تشدد کے کون سے تیر ہیں، جو تم نے مجھ پر نہیں چھوڑے ــــ تمہارے ترکش کے تیر ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں، میرا سینہ چھید دو، میری کھال اُدھیڑ دو، لیکن میں پھر بھی خدا کا شکر بجالاؤں گی۔ تم اور تمہارے ساتھی غنڈوں نے نہ جانے میری کتنی بہنوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا ہے۔ تم بھائی نہیں ہو، تمھیں بھائی کہہ کر میں اس پاک رشتہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتی۔ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ بھائیوں نے اپنے ہاتھوں بہنوں کا خون بہایا تھا، ان کی عزت و عصمت لوٹی، سربازار انھیں رسوا کیا۔ میں تمھیں ۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔"

کوثر کا گلا خشک ہو گیا۔ آنکھوں کی چمک معدوم ہو گئی۔ لڑکھڑاتے پاؤں سے وہ فیروز کی طرف بڑھی اور اس کے قدموں میں گر پڑی۔

تہ خانہ کے بڑے ہال میں سکوت چھایا ہوا تھا عظیم کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔ لیکن اس کی زبان گنگ تھی۔ اور اس کے ساتھی پٹھان، قبائلی غنڈے حیرت کی تصویر بنے کبھی عظیم کو دیکھ لیتے تھے اور کبھی کوثر کو۔

سسکیوں کی آواز نے گہرے سکوت کو توڑا۔ آنسوؤں کے تار نے فیروز کے قدموں کو بھگو دیا۔ نہ معلوم کون سا باندھ ٹوٹا تھا، اور پانی کہاں سے آ رہا تھا فیروز نے ایسا محسوس کیا کہ یہ پانی بہتا رہے گا، بہتا ہی رہے گا، اور تہ خانے کا یہ بڑا ہال لبریز ہو جائے گا۔ پھر بھی کوثر روتی رہے گی، تا ابد روتی رہے گی۔

کانپتی ہوئی انگلیوں سے اس نے ایک بار فیروز کے پاؤں کو ٹٹولا۔ اس کے جرابوں میں کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ اڑس کر گردن اوپر اٹھائی۔ بھیگی آنکھوں سے پلکوں کی چادر ہٹا کر یاس بھری نظروں سے اس نے فیروز کی طرف دیکھا اور بھرائے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"بھیا! میری خطا معاف کرنا!"

اور اس نے ایک بار پھر اپنا سر فیروز کے قدموں میں رکھ دیا۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

دھڑام دھڑام کی آواز سن کر عظیم چونکا۔ بدری ناتھ کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے تہ خانہ کے راستے پر اس کی نظریں جم گئیں۔

بدری ناتھ کے ایک ہاتھ میں بندوق تھی۔ اور دوسرے ہاتھ سے وہ کویتا کا گلا دبوچے ہوئے تھا۔ اور دو قبائلی غنڈوں نے نریندر کو پکڑ رکھا تھا۔

"تیسرا بدمعاش کہاں گیا؟" عظیم نے پوچھا۔

"راکیش بھاگ گیا عظیم! لیکن وہ بے وقوف ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟"
بدری ناتھ نے جواب دیا۔
"ہوں" عظیم بولا "مظفر آباد پر ہم نے قبضہ کر لیا ہے۔ بارہ مولہ میں آگ لگی ہے، اسلام آباد اور راول کوٹ میں فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے گئے ہیں، سری نگر پہنچتے ہی ڈوگرہ شاہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور آج اس عظیم فتح کی خوشی میں غداروں کو موت کی سزا دینا چاہتا ہوں"
کمرے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ کوثر کی سسکیوں میں کویتا کی سسکیاں ہم آہنگ ہو کر خاموشی کو توڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔
عظیم کی آواز ابھری۔
"فیروزا اور نریندر کو گولی ماردی جائے —— کویتا اور کوثر میری حفاظت میں رہیں گی۔"
کویتا سر سے پاؤں تک لرز گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ سفید ہو گیا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس کا محبوب، اس کے من مندر کا دیوتا، موت کے دہانے پر کھڑا تھا۔ اس کا پیارا بھائی، اس کا رفیق و غم خوار، بے بسی کی حالت میں اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس کا غدار باپ سر جھکائے عظیم کے دوسرے حکم کا منتظر تھا۔ اور عظیم کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی، اس کے سر پہ خون سوار تھا۔
"اب تک میں تمہارا حکم بجالایا ہوں عظیم!" بدری ناتھ نے سر جھکائے جھکائے کہا۔ "کیونکہ میں کشمیر کو آزاد دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے بدلے میں میں نے تم سے ابھی تک کچھ نہیں چاہا ہے۔ آج میں تم سے صرف ایک فرمائش

کر رہا ہوں۔ اُمید ہے تم ٹھکراؤ گے نہیں "

"..........."

عظیم کچھ بولا نہیں، اس کی آنکھوں میں حقارت تھی۔ ہونٹوں پر زہر خند۔ وہ تیز طرار نظروں سے بدری ناتھ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فیروز اور کوثر کی قسمت کا فیصلہ تم اپنی مرضی سے کر سکتے ہو، لیکن میں چاہتا ہوں کہ نریندر کو میرے حوالے کر دو۔ کویتا کو مجھے سونپ دو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ دونوں بے وقوف جلد ہی ہمارے اشارے پر چلنے لگیں گے۔"

"بزدلی دکھا رہے ہو ــــ!" عظیم چڑ کر بولا۔ "لیکن میں تمہارے پدرانہ جذبہ کی قدر کرتا ہوں، اور تمہاری پُر خلوص خدمتوں کا اعتراف بھی!" پھر وہ پٹھان سردار کی طرف دیکھ کر بولا۔ "نریندر کی جان بخشی جائے، اور اُسے تہ خانے کی مخصوص کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے ــــ لیکن بدری ناتھ! تمہارے کمزور و ناتواں بازو کویتا کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ کویتا میری حفاظت میں رہے گی۔"

بے بسی کے عالم میں بدری ناتھ عظیم کی طرف دیکھتا رہا۔ منہ سے کچھ بھی نہ بولا۔

قہر آلود نظروں سے کوثر نے عظیم کی طرف دیکھا، اور نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچکچا کر رہ گئی۔

پر کٹے پرندے کی مانند سہمی سہمی کویتا ایک کونے میں کھڑی تھی، اور عظیم کی بھوکی نظریں اُس کے جسم کے نشیب و فراز اور اعضاء کے تیکھے خطوط کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ سر سے پاؤں تک لرز اُٹھی۔

عقبی دروازے سے ایک قبائلی تہ خانہ کے بڑے ہال میں داخل ہوا۔

عظیم کو سلام کرکے ایک کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔
سرسری نظر سے عظیم نے اس کاغذ کو پڑھا۔ یکبارگی اس کی آنکھیں فتح و کامرانی سے چمک اٹھیں۔ لیکن جوں جوں وہ خط پڑھتا گیا، آنکھوں کی چمک معدوم ہوتی گئی۔
کاغذ کو تہہ کرکے اس نے جیب میں رکھ لیا اور بدری ناتھ کی طرف دیکھ کر بولا۔
"صوفیاں اور تاراشریف کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے۔ اب وہاں قبائلیوں کی حکومت ہے، اسلام کی حکومت ہے، لیکن پونچھ سے اطلاع آئی ہے، کہ گوجرخاں، وزیر آباد اور لالہ موسیٰ سے آنے والی کمک اچانک بند ہو گئی ہے۔ اور اگر فوری طور پر ہتھیار نہ بھیجے گئے تو قبائلیوں کو پیچھے ہٹنا پڑے گا —— آہاہا —— !" ایک بھیانک قہقہہ فضا میں گونجا —— "عظیم نے کبھی شکست قبول نہیں کی، کبھی ہار نہیں مانی۔ عظیم پیچھے نہیں ہٹے گا۔ قبائلی پیچھے نہیں ہٹیں گے میں خود کمک لے کر جاؤں گا۔ رسال دین گاڑیاں تیار کرو!"
"گاڑیاں تیار ہیں سرکار! چار ٹرک اسلحہ سے بھرے ہوئے آپ کے حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ آپ کی ذاتی جیپ بھی تیار ہے۔"
"میں جا رہا ہوں بدری ناتھ!" بدری ناتھ سے مخاطب ہو کر عظیم بولا۔
"میرے بعد یہاں کی دیکھ بھال تمہارے ذمہ اور میر پور کا مورچہ تمہیں سر کرنا ہوگا۔ کویتا اور کوشر کی حفاظت تم کرو۔ اور ان دونوں کو قید خانہ میں ڈال دو۔"
پھر وہ سب قبائلی سرداروں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "دوستو! تم سب میرے ساتھ آجاؤ۔ بدری ناتھ کی امداد کے لئے میں مقامی ساتھی بھیج دوں گا!"
"لیکن آقا! جب تک آپ واپس نہ لوٹ آئیں مجھے یہیں رہنے کا حکم ملا ہے!"

"بہت اچھا — بہت اچھا!" عظیم نے اس قبائلی کی پیٹھ ٹھونکی، جو ابھی ابھی خط لے کر آیا تھا" ہم تمھاری خدمت سے خوش ہیں۔ واپس آکر تمھیں انعام و اکرام سے نوازیں گے"

"اور حضور عورت بھی ملے گا؟" ہونٹوں پر زبان پھیر کر وہ قبائلی بولا۔

"ضرور ملے گی — جی بھر کے موج کرنا — کابل و قندھار کے بازاروں میں فروخت کرنا"

"آزاد کشمیر زندہ باد!" اور اس قبائلی نے عظیم کے آگے سر جھکا دیا۔

عظیم اور اس کے ساتھی قبائلی چلے گئے تو بدری ناتھ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور پونچھ سے خط لانے والے قبائلی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آج رات تمھیں اِن کی حفاظت کرنا ہے، کل ہمارے ساتھی آجائیں گے۔! ہوشیار رہنا، یہ چار ہیں اور تم تنہا ہو"

"آپ فکر نہ کریں آقا۔ ہم انھیں مچھر کی طرح مل دے گا" اپنا ہاتھ ہوا میں لہرا کر قبائلی بولا۔

بدری ناتھ نے فیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جاہل غنڈے! چند دنوں کے لئے تیری جان بخشی گئی ہے، باز آجا —! مورچوں پر کمک بند ہو گئی ہے، اس لئے عظیم پریشان ہو گیا ورنہ تیری قسمت کا فیصلہ تو آج ہی ہو گیا تھا"

"لیکن تیری قسمت کا فیصلہ میں ابھی کر دیتا ہوں۔ مرنے کے لئے تیار ہو جا" وہ قبائلی چیخ کر بولا۔ اور اس نے بندوق کی نالی بدری ناتھ کے سینے پر رکھ دی۔

فیروز اور نریندر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ یکبارگی ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔

"تم ..... تم ..... کون ہو؟" گھبرا کر نرپندر ناتھ نے پوچھا۔

"نالی کا کیڑا، آوارہ، تمہارے ٹکڑوں پہ پرورش پلنے والا کتا۔" وہ قبائلی دانت کچکچا کر بولا۔

"بھیا راکیش!" حیرت واستعجاب سے کویتا نے اس کی طرف دیکھا، کوثر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"بدتمیز لڑکے تیری یہ جرأت!" بدری ناتھ نے گرج کر کہا: "تیری آوارگیوں نے ہی ان سب کو بگاڑا ہے۔ میں تیرا خون پی جاؤں گا۔"

"بدری چاچا اپنی جان کی خیر مناؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ میں راکیش ہوں، اور تم بدری چاچا ہو۔ میں مادرِ وطن، کشمیر جنت نظیر کا ناچیز خادم ہوں اور تم قومی غدار ہو۔ اس جنتِ بریں کو جہنم بنانے پہ تلے ہوئے ہو۔"

"میں مر جاؤں گا لیکن تمہارے آگے سر جھکانے کو تیار نہیں!"

"اور ہم تمھیں مارنے کو تیار ہیں"، راکیش نے کہا۔

"تم بگڑے ہوئے نوجوان ہو۔ گرم خون نے تمہارا مزاج بگاڑ دیا ہے، یاد رکھو کل جب تم مہاراج کے درباری بنو گے، تو دولت کے انباروں میں کھیلو گے۔ یہ بوسیدہ حالی، یہ تنگدستی، امارت و ثروت میں بدل جائے گی۔"

"اسی امارت و ثروت نے تمہاری آنکھیں خیرہ کر دی ہیں چاچا۔ تمھیں کیا چاہیئے؟ پینے کے لئے شراب اور راتیں سونے کے لئے نوجوان جسم۔ میں تمہارا عزیز ہوں، تمہارے تئیں یہ الفاظ مجھے استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ فیروز سے نریندر ہے، کویتا تمہاری لڑکی ہے اور کوثر کھڑی ہے۔ میری زبان گنگ ہے کہنا میں بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن وضعداری میری زبان بند کئے ہوئے ہے، لیکن کویتا بہن! میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ اور کوثر تم سے بھی۔ کئی برسوں

سے میرے دل میں جو لاکھی بھڑک رہا تھا وہ آج پھٹ گیا ہے اور اس کا لاوا اُچھل اُچھل کر باہر گر رہا ہے۔ بدری چاچا کی کرتوتوں کا جس قدر مجھے علم ہے اُس قدر شاید کسی کو نہ ہوگا۔ جسے تم آوارہ، بدچلن اور بدمعاش سمجھتے ہو وہی تمہاری کرتوتوں کا نگراں رہا ہے۔ سرینگر کا کونسا ہوٹل ہے جس میں تم عیاشی کا سامان مہیا نہیں کرتے۔ ہاؤس بوٹوں سے اُبھرتی ہوئی معصوم لڑکیوں کی چیخ و پکار جھیل ڈل کے گہرے سناٹے کو توڑتی ہوئی رات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتی ہیں اور تم کسی ہوٹل کے کمرے میں شراب کے نشے میں دُھت اپنی فتح و کامرانی پر مسکراتے ہو۔ تمہارے سامنے صرف ایک چیز اہم ہے۔ روپیہ۔ دولت میں جھنکار۔ غریبوں کی عزت تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کشمیری دوشیزاؤں کا پاکیزہ حسن تمہارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تم ایک ہی مطلب جانتے ہو، ایک ہی معنی سمجھتے ہو۔ دولت ؛ دولت اور نوجوان جسم!"

قدرے توقف کے لئے ملکیش رُکا اور کہنے لگا۔

"آج اُن نوجوان لڑکیوں کی حالت دیکھو جو تمہاری بربریت کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔ کسی زمانے میں اُن کے چہرے پر معصومیت تھی، اور ہونٹوں پہ مدھر مسکان! اُن کے سیاہ بالوں میں آبشار ایسی لچک تھی۔ اور آواز میں خاموش نغمگی ــــ لیکن اب وہ اپنا سب کچھ لُٹا کر تمہاری جان کو رو رہی ہیں ــــ اُن کی باتوں میں نہ وہ شگفتگی ہے جو جوان دلوں کو برما دیتی ہے، نہ وہ خاموش نغمگی ــــ! تم نے اُن کے دامن میں انگارے بھر دیئے ہیں اور انہیں ایک ایسی سطح پر لا کھڑا کیا ہے جہاں سے محبت کی گنگا شروع ہوتی ہے۔ اس گنگا میں جو چیز گرتی ہے پاک ہو جاتی ہے، مگر آج تم نے ہی اس گنگا کے شفاف پانی میں گندگی ملا دی ہے۔ اس پوتر پانی کو گدلا کر دیا ہے۔ یہ پانی گیت کے پہلے

پول کی طرح میٹھا تھا اور آج زہر ہلاہل کی طرح تلخ ـــــ بولو کون ہے اس کا ذمہ دار۔ میں یا تم؟ ـــــ میں آوارہ ہوں، بیکار ہوں، لیکن تمہاری طرح بردہ فروش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کشمیر کی عزت کشمیری عورتوں سے ہے کشمیری عورتوں کی عزت و آبرو لٹ گئی، تو کشمیر کی لاج لٹ گئی۔ لیکن تمہیں اس سے کیا؟ ـــــ تم سمجھتے ہو کہ اگر نیشنل کانفرنس برسراقتدار آ گئی، ہندوستان نے کشمیر کی درخواست قبول کر لی تو تمہیں یہ کالے کارنامے ترک کرنا پڑیں گے، شراب اور نوجوان جسموں کے لئے ترس جاؤ گے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ تمہیں اپنے کئے کی سزا ملے۔ اس لئے تم نے ان ہی لوگوں کا ساتھ دیا جو تمہاری طرح بدکار ہیں۔ لٹیرے اور غاصب ہیں۔ لوٹ مار، قتل و خون جن کا پیشہ ہے، عورتوں کی عزت و عصمت جن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تم نے اسی لئے کوشیا کو اس کے ماموں کے پاس دہلی بھیج دیا تھا تاکہ تمہاری مکروہ حرکتوں کی چھایا اس پر نہ پڑے۔ تم اسی لئے نریندر کو اپنے کمرے میں آنے نہیں دیتے تھے کہ وہ تمہاری حرکات سے کہیں واقف نہ ہو جائے۔ لیکن ایک ہستی ایسی بھی تھی جو تمہاری سب باتیں جانتی تھی۔ اور وہ ہستی تھی کوثر۔ عظیم کے ساتھ مل کر تم نے کیا کیا سازشیں کی ہیں کوثر کو سب کچھ علم ہے۔ گھر سے باہر تم نے جو جو کالی کرتوتیں کی ہیں یہ ناچیز خادم ان سے رتی رتی بھر واقف ہے ـــــ نریندر سے پوچھو، وہ تمہیں باپ کہنے کو تیار نہیں۔ کوشیا سے پوچھو وہ تمہیں پاپا کہتے ہوئے شرماتی ہے لیکن میں تمہیں چاچا بدری ناتھ کہتا ہوں اور چاچا ہی مانتا ہوں۔ اس ظالم چاچا کی میں جان لے کر رہوں گا!"

اوپر تہ خانہ کے باہر آواز ابھری۔

"آزاد کشمیر ـــــ!"

"زندہ باد ——!!"

اور پھر چیخوں اور کراہوں کی آواز سنائی دی۔ بموں اور گولیوں کی آواز اُبھری۔ راکیش لپک کر تہ خانہ کی سیڑھیوں کی طرف گیا۔ دریچہ سے باہر جھانک کر دیکھا۔ ہزاروں قبائلی سنگینیں ہاتھ میں لئے، گولیاں چلاتے، پُرجوش نعرے لگاتے لاشوں کو روندتے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ اور سارا محلّہ جل رہا تھا۔

"تو میرپور میں بھی آگ لگوا دی تم نے؟" راکیش نے پلٹ کر بدری ناتھ کی طرف دیکھا۔ بھاگنے کے لئے بدری ناتھ کو موقع مل گیا۔ وہ تیزی کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف جاتی ہوئی تہ خانہ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ فیروز اور نریندر نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن نہ معلوم وہ کونسے راستے سے فرار ہو گیا۔

انھوں نے تہ خانہ کے بڑے ہال کا کونہ کونہ چھان مارا۔ کوثر کو تمام راستوں کا علم تھا۔ سارے خفیہ ٹھکانے اُسے معلوم تھے۔ لیکن بدری ناتھ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اسلحہ سے کئی کوٹھڑیاں بھری ہوئی تھیں۔ غیر ملکی ساخت کی بندوقیں تھیں۔ بم، دستی گولے اور کارتوسوں کے ڈھیر کے ڈھیر تھے۔ کارتوس کی خالی پیٹیوں پر حکومتِ پاکستان کا شناختی نشان لگا تھا۔

"یہ سارا اسلحہ حق و انصاف کو ختم کرنے کے لئے ظلم و بربریت کے کام آئے گا۔ آج نہیں تو کل عظیم اس اسلحہ کو بھی یہاں سے نکال کر لے جائے گا اور سرحدوں پر تقسیم کر دے گا۔"

"میں یہ موقع ہی نہیں آنے دوں گا!" فیروز بولا۔

جیب سے اس نے ایک دستی بم نکالا اور اس میں آگ لگانے لگا۔

لیکن راکیش نے اس کا ہاتھ روک دیا۔ اور کہنے لگا۔

"کیا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے؟ —— سارا تہ خانہ اسلحہ سے بھرا ہوا ہے"

اگر ایک بم بھی پھٹ گیا، تو ہم میں سے کوئی بھی شخص یہاں سے زندہ باہر نہیں نکل سکے گا!"

"یہ بم اِتنی جلدی نہیں پھٹے گا دوست! آدھ گھنٹہ بعد پھٹے گا، اس وقت تک ہم بہ آسانی تہ خانہ سے باہر نکل سکتے ہیں"

"لیکن باہر قبائلیوں نے لوٹ مار اور قتل و خون کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ راستہ صاف نہیں ہے"

"لیکن ہمیں بہرصورت جلد از جلد باہر نکلنا ہے ــــ" فیروز بولا ــــ "ہوسکتا ہے عظیم راستے ہی سے واپس لوٹ آئے یا اس کے دوسرے ساتھی اسلحہ لینے تہ خانے میں آجائیں"

"اور پاپا بھی تو بھاگ گئے ہیں!" نریندر بولا "وہ ضرور مسلح قبائلیوں کو لے کر تہ خانہ میں آجائیں گے"

"راستے صاف ہوں یا نہ ہوں۔ اب ہم یہاں ایک پل نہیں ٹھہر سکتے!"

اور فیروز نے بم کے فیتے میں آگ لگا دی۔

اور وہ چاروں تیزی سے تہ خانہ کی سیڑھیاں چڑھنے لگے

راکیش پیچھے رہ گیا۔

اس نے داڑھی لگا کر قبائلی کا بھیس بھر لیا۔ اور باہر کی طرف لپکا۔

کوثر کا پاؤں سیڑھیوں پر پھسل گیا اور وہ گرنے لگی کہ راکیش نے اُسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔ اُسے سہارا دے کر کھڑا ہوگیا اور وہ پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ نریندر سب سے آگے تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بندوق تھی اور وہ بے تحاشا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے فیروز تھا اور اس کا ہاتھ تھامے کویتا سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اور کوثر راکیش کے ساتھ سب سے پیچھے تھی، دروازے

پر پہنچ کر نربیندر رُک گیا۔ دروازہ مقفّل تھا۔ ایک چھوٹے سے خفیہ دریچے سے جھانک کر نریندر نے دیکھا۔ چہار سُو آگ لگی ہوئی تھی۔ لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ کوثر دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھی کہ قریب ہی دیوار میں فٹ ٹرانسمیٹر کی گھنٹی بجی۔
کوثر نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا اور بولنے لگی۔
"ہیلو .... نمبر ٹو ..... کراچی .... نمبر ٹو سپیکنگ!... سارا راستہ دشمن نے گھیر لیا ہے.... نمبر ٹو سپیکنگ! رسد بند!! سارا اسلحہ ہندوستانی فوج کو مل رہا ہے .... راستے بند ہیں ..... رسد بند ..... نمبر ٹو سپیکنگ....
ہیلو ...... کراچی نمبر ٹو سپیکنگ .... رسد بند .... رسد بند!!"
اور کوثر نے ریسیور رکھ دیا۔ اطمینان کا گہرا سانس لے کر اس نے راکیش کی طرف دیکھا۔ جو اُس کی بہادری، دلیری اور بے خوفی و بے باکی کو دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔
کوثر نے طاق میں سے ایک چابی اُٹھائی اور اُسے ایک سُوراخ میں ڈال کر گھما دیا۔ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھُل گیا۔ فیروز کا ہاتھ پکڑ کر کونیتا باہر آگئی۔ نربیندر اور راکیش پیچھے تھے۔ کوثر دروازہ بند کرنے لگی، تو فیروز بولا۔
"کھُلا رہنے دو اِسے۔ چند منٹ بعد سارا تہ خانہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔"
"لیکن بھائی جان! اگر کسی کو شک ہو گیا، تو ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔" کوثر بولی۔
وہ دروازہ بند کرنے کے لئے جھکی تو ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی، ایک چیخ اُبھری اور کوثر تیورا کر وہیں گر پڑی۔

دُور سے قبائلیوں کا ہجوم شور مچاتا آ رہا تھا۔ نریندر، فیروز اور کویتا سہم کر دیوار کی اوٹ میں ہو گئے۔

راکیش جو قبائلی پٹھان کے بھیس میں تھا، تیزی سے کوٹھڑی کی طرف لپکا۔ اُسے اپنے کاندھے پہ اُٹھا لیا اور بھاگتے ہوئے پٹھانوں کے جمِ غفیر میں گم ہو گیا۔ کسی بھی پٹھان نے اس پہ شک نہیں کیا۔ پٹھانوں کے ایک ہاتھ میں سنگین تھی، اور کاندھوں پہ معصوم، نوجوان بے ہوش عورتیں۔ فتح و کامرانی کے بگل بجاتے وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔

جب غنڈوں کا قافلہ بڑھ گیا تو وہ تینوں باہر آئے۔ کویتا ہراساں تھی، اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اور بندوق کندھے پہ رکھے نریندر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

فیروز کچھ بولا نہیں، اُس نے نریندر کو اشارہ کیا۔ کویتا کا ہاتھ تھاما۔ اور وہ اسی راستے بڑھنے لگے جس راستے لیٹروں کا قافلہ گیا تھا۔

پیچھے بچانے غنڈوں سے چھپتے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ سارا میرپور جل رہا تھا۔ چہار سو آگ ہی آگ تھی۔ سڑکیں خون سے لت پت تھیں۔ جو مر گئے تھے ابدی نیند سو گئے تھے وہ بھی خاموش تھے اور جو بچ گئے تھے اُن پہ دہشت چھائی ہوئی تھی وہ گھروں میں چھپے بیٹھے تھے، اُن پہ سکتہ چھایا ہوا تھا۔ نالیوں میں پانی کی بجائے خون بہہ رہا تھا۔ سڑکوں پہ جا بجا لاشیں پڑی تھیں۔ معصوم بچوں کی، بے گناہ عورتوں کی لاشیں۔ نوجوان لڑکیوں کے سینوں کو نیزوں سے چھیدا گیا تھا۔ وحشی درندوں نے اُن کی چھاتیاں کاٹ ڈالی تھیں، اُن کی آنکھیں نکال لی تھیں۔ سر دھڑ سے الگ تھے۔ کون ہندو ہے اور کون مسلمان، یہ کسی کو پتہ نہ تھا۔ ہر طرف تباہی و بربریت کا نظارہ تھا۔

یہ وحشتناک منظر دیکھ کر کویتا کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ غش کھا کر سڑک پہ گر پڑی۔ فیروز نے لپک کر اُسے اپنے کاندھے پہ اُٹھا لیا۔ اور تیزی سے سڑک پہ دوڑنے لگا۔

نریندر نے ایک بار اپنے گھر کی طرف دیکھا جو خاکستر ہو گیا تھا۔ اس کے در و دیوار ظلم و بربریت، تباہی و بربادی کی مُنہ بولتی تصویریں تھے۔ نالی کے پاس اوندھے مُنہ اُن کے بوڑھے خدمت گذار کی لاش پڑی تھی، اور اس کے پاس ہی ایک نیم برہنہ عورت اپنے معصوم بچّے کی لاش کو سینے سے چمٹائے پاگلوں کی طرح آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دور سے قبائلیوں کا ایک ہجوم آرہا تھا۔ نعروں سے فضا گونج اُٹھی۔

"آزاد کشمیر — !"

"زندہ باد — !!"

فیروز سر سے پاؤں تک لرز اُٹھا۔

نریندر سے کہنے لگا۔

"تم بھاگ جاؤ دوست! کسی طرح سے اپنی جان بچاؤ۔ مجھے اپنے ساتھ ساتھ کویتا کی بھی جان بچانی ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ میرپور کے مسلمان غنڈے مجھے مسلمان دیکھ کر چھوڑ دیں گے، تمھیں کوئی نہیں بخشے گا۔"

"لیکن ....."

"لیکن ویکن کی گنجائش نہیں ہے"۔ فیروز جلدی سے بولا "اگر قبائلی ہوتے تو ہو سکتا ہے میں بھی نہ بچتا۔ لیکن یہ کشمیری غنڈے ہیں، مذہب کی آڑ میں خون کی ہولی کھیل رہے ہیں — اگر خدا نے چاہا تو پھر ملیں گے نریندر بھاگ جاؤ۔ کسی طور اپنی جان بچاؤ۔"

"خدا حافظ!" نریندر بولا۔

"آمین!"

اور فیروز نے پیار بھری نظروں سے ایک بار بے ہوش کویتا کی طرف دیکھا اور پھر اس کی غم آلود آنکھیں ایک ٹک دُور جاتے ہوئے نریندر پر جم گئیں۔ اور پھر ایک سرکاری جیپ میں بیٹھ کر نریندر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

یکبارگی زور کا دھماکہ ہوا۔ در و دیوار لرز اُٹھے۔ یکے بعد دیگرے بم چلنے کی آوازیں آئیں۔ ایسا جان پڑتا تھا، کہ کوئی بھاری بھونچال آیا ہے، آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہے، خدائی قہر نازل ہوا ہے، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ خستہ حال عمارتیں گر رہی تھیں، اَدھ جلے مکانوں کی چھتیں پنکھوں کی طرح جھول رہی تھیں۔ فیروز کو یہ اندازہ لگاتے دیر نہ لگی کہ عظیم کا خفیہ تہ خانہ اسلحہ سمیت تباہ ہو گیا ہے۔

کوئی چیخ نہیں تھی، کوئی آہ و بکا نہیں تھی، لپٹیں آسمان کو چھو رہی تھیں وزنی پتھر پھول کی طرح اُچھل کر آسمان کی طرف جاتے اور پھر کسی مکان پر آ گرتے ان کے گرنے سے چھتیں ٹوٹتیں، دیواریں چٹختیں یا لاشیں کچلی جاتیں۔ گرد و غبار کی تہیں آسمان پر چھا گئی تھیں۔

اور پھر آہستہ آہستہ فضا میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ ایک نیم سوختہ مکان کی دیوار کے پیچھے کویتا کو لٹا کر اُسے ہوش میں لانے کے لئے فیروز پانی تلاش کرنے لگا۔ چاروں طرف لاشیں تھیں، خون ہی خون تھا یا ملبے کا ڈھیر۔ پانی لینے کے لئے وُہ اس نیم سوختہ مکان کے اندر گیا۔ لیکن وہاں ملبے اور لاشوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اَدھ جلی لاشوں کی سڑاند میں وُہ ایک منٹ کے لئے بھی کھڑا نہ رہ سکا۔

اچانک ایک دلسوز چیخ اُبھری۔ کویتا کو دیکھنے کے لیئے وہ باہر کی طرف لپکا۔ دیوار کے سہارے جوں کی توں وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ سڑک کے اُس پار گلی کے اندر کسی عورت کے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔

کویتا کو وہیں چھوڑ کر فیروز اُدھر بڑھا تو عین گلی کے نکڑ پر ایک دیوار کے پیچھے حیوانیت اور بربریت کا روح فرسا منظر دیکھ کر وہ کانپ گیا۔ ایک نوجوان کشمیری لڑکی دیوہیکل قبائلی لیڈر کے قوی بازوؤں میں پھڑپھڑا رہی تھی — وہ بُری طرح اُسے دبوچے ہوئے تھا، درد و کرب کی شدت سے وہ عورت چیخ رہی تھی۔ اور بھوکے بھیڑیئے کی طرح وہ قبائلی اس عورت ....

....

دیکھتے ہی دیکھتے خوف و ہراس کی شدت سے اس کی آنکھوں کی پتلیاں ایک جگہ ٹھہر گئیں۔ پھر اس نے ایک زور کی چیخ ماری۔ اس کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کی۔ اُس کے ہونٹ پھڑپھڑائے، اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے اور ایک طرف کو سر لڑھک گیا۔ لیکن وہ شیطان اب بھی حیوانیت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ نفسانی خواہشات کی آگ سے اس کا چہرہ جھلس کر اور بھی مکروہ بن گیا تھا۔ باغی جذبہ کے زیر اثر وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا ....
تھوڑی دیر بعد اس شیطان نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ عورت کی لاش کو زمین پر پٹک دیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

"مر گیا سالا — یہ کشمیر کا عورت بڑا نازک ہوتا ہے!"

وہ سر سے پاؤں تک لرز اُٹھا۔ اُس سے یہ وحشت ناک منظر دیکھا نہ گیا وہ پٹھان اب واپس مڑنے ہی والا تھا۔ فیروز تیزی سے پلٹا اور لپک کر باہر گلی میں آ گیا۔

باہر نیم برہنہ حالت میں ایک اور عورت مری پڑی تھی۔ اس کا سر کچلا ہوا تھا، پستان کٹے ہوئے تھے، رانوں سے خون بہہ رہا تھا۔

اور دور ایک نعرہ گونجا۔

"آزاد کشمیر —!"

"زندہ باد —!!"

وہ بھاگ کر دیوار کے پیچھے بے ہوش کویتا کو دیکھنے آیا، لیکن کویتا وہاں نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے ناچنے لگے، سر گھوم گیا، دیوار کا سہارا لے کر وہ وہیں بیٹھ گیا۔ کویتا گئی کہاں؟ کیا ظالموں نے اُسے بھی قتل کر دیا؟

اُف میرے خدا!

آنسو بھری آنکھوں سے اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور خدائی قہر کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن نہ آسمان ٹوٹا، نہ قیامت آئی، نہ قہر نازل ہوا — حیوانیت اپنا ننگا ناچ دکھا رہی تھی۔ ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ انسانی خون نہایت ارزاں ہو گیا تھا۔

اور دور — بہت دور — نعرے گونج رہے تھے۔

"آزاد کشمیر —!"

"زندہ باد —!!"

اُس نے بھی نیا کشمیر زندہ باد کا نعرہ لگایا تھا۔ وہ کشمیری عوام کو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے یکجا جمع کرنا چاہتا تھا۔ مادرِ وطن کی خدمت کا جذبہ اُس کے دل میں موجزن تھا۔ لیکن آج بربریت اور قتل و خون نے اس کی تمام اُمیدوں، ساری آرزوؤں پہ پانی پھیر دیا تھا۔ کشمیر جل رہا تھا —

جنّت نظیر کشمیر جہنّم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اور وہ اپنی بے بسی اور بے کسی پر تلملا رہا تھا۔ راکیش نہیں رہا۔ کوثر جدا ہو گئی۔ زبیدہ کو مجبوراً جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ اور کویتا کو قتل کر کے ظالموں نے غائب کر دیا۔

ٹرک کی آواز سن کر وہ چونکا۔ باہر آ کر دیکھا، کوئی سو گز کے فاصلہ پر ایک ٹرک کھڑا تھا۔ دو تین غنڈوں نے کویتا کو اٹھا کر ٹرک میں ڈال لیا۔ اور قبل اس کے کہ فیروز اُس تک پہنچے ٹرک چل پڑا۔ نہ معلوم اتنی طاقت اُس میں کہاں سے آ گئی تھی۔ پوری قوت لگا کر اُس نے ٹرک کا تعاقب کیا اور رفتار پکڑنے سے پہلے ہی اُس کے پیچھے لٹک گیا۔

زنجیر سے اس کے ہاتھ چھلے جا رہے تھے۔ بمشکل تمام اس نے زنجیر پکڑ رکھی تھی، سہارے کے لئے اور کوئی چیز بھی نہ تھی اور ٹرک پوری رفتار سے سپاٹ سڑک پر دوڑا جا رہا تھا۔ بدحواسی میں اس کے پاؤں نیچے لٹک گئے۔ سڑک سے ٹکرا کر وہ چھلتے چلے گئے۔ ایک دلدوز چیخ اُس کے حلق میں آ کر اٹک گئی۔ زخم کتنا بڑا ہے، گھاؤ کتنا گہرا ہے، فیروز کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ اُسے صرف سڑک پر بہتے ہوئے خون کی لکیر نظر آ رہی تھی۔ اور ٹرک تیزی سے دوڑ رہا تھا اور فیروز نے پوری طاقت سے زنجیر کو پکڑ رکھا تھا۔

اُن لوگوں کی باتوں سے ہی پتہ لگا تھا، کہ سارے کشمیر میں آگ لگی تھی، بالاکوٹ، گڑھی حبیب اللہ، مظفر آباد، بارہ مولا اور باندی پور خالی ہو گئے تھے اور اب وہاں غنڈوں کی حکومت تھی ——— لٹیروں کا ایک قافلہ تیزی سے اسی راستے سرینگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دوسری طرف اڑی، ناراشریف، صوفیاں، اسلام آباد، راول کوٹ، پونچھ، نوشہرہ، میرپور اور بھمبر میں آگ لگی تھی۔ لٹیروں کا ایک قافلہ اس راستہ

سے بھی سرینگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لالہ موسیٰ، گوجر خاں اور وزیر آباد سے باقاعدہ کمک پہنچ رہی تھی۔ پاکستان غیر ملکی ساخت کا اسلحہ باقاعدہ سپلائی کر رہا تھا۔

سارے دن اور ساری رات ٹرک دوڑتا رہا۔ کوبیتا اسی طرح بیہوش پڑی رہی۔ اور فیروز زنجیر پکڑے لٹکا رہا۔ اگلے دن صبح ہونے تک وہ بھی نیم بیہوش ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند اور تھکن کی شدّت سے بوجھل تھیں پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور ہاتھ چھل گئے تھے۔ زخموں کی شدّت سے وہ تڑپ رہا تھا۔ بے چینی کے عالم میں کبھی اِدھر سر پٹکتا اور کبھی اُدھر، اور ٹرک پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

خُنک ہوا کے جھونکوں سے اس کے جسم میں جھرجھری سی ہوئی ــــــ نیم وا آنکھوں سے اُس نے دیکھا جہلم کا چمکتا ہوا پانی چٹانوں سے سر ٹکراتا چھوٹے موٹے پتھروں کو اپنی لپیٹ میں لیتا بہہ رہا تھا اور کنارے کنارے ٹرک تیزی سے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ ایک بار سر اُٹھا کر اس نے جی بھر کے بے ہوش کوبیتا کو دیکھا اور اپنے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ دھڑام سے وہ پانی میں گرا اور جہلم کی لہروں نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اور صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دُور پہاڑوں کی یخ بستہ چوٹیوں کے پیچھے سے سُورج اُگ کر رات بھر کی ٹھٹھری ہوئی شبنم کو آنکھوں سے نکار رہا تھا۔ اُس نے دُور پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو دیکھا پھر اپنی تھکی ہوئی السائی آنکھیں پتّوں پر جمی شبنم کی بوندوں پر گاڑ دیں۔

شبنم ——!

پتھر ——!!

برف اور سورج ——!!!

اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اور سوچ کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا۔ یادوں کے چراغ اُس کے ذہن کے گوشوں میں جھلملائے لیکن یخ زدہ تیز نوکیلی ہواؤں کے جھکڑ نے اس کے جسم میں جھرجھری سی پیدا کردی —— ٹمٹماتے ہوئے چراغ گُل ہوگئے۔ اُسے ایسا لگا جیسے سنگلاخ چٹانوں میں چکر کھاتی، سرپٹکتی، روتی ہوائیں کشمیر کی تباہی و بربادی کے نوحے سُنا رہی ہوں۔

اور پھر ایک دم اُسے کویتا کا خیال آگیا —— ننھّی کویتا —— بچپن کی یادیں تیز لو کی طرح بھڑکیں اور اس کے ذہن کے تاریک گوشوں کو منوّر کردیا۔ ایسی یخ بستہ ہوا میں بھی کویتا کمرے کی ساری کھڑکیاں

کھول دیتی۔ اور آتش دان میں آگ تیز کر دیتی، اُبلتے ہوئے پانی میں چائے کی پتّیاں ڈال دیتی۔ اور پھر جب ہلکی ہلکی بارش کی پھوار گرنے لگتی، تو وہ اُس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے ساتھ باہر کھیتوں اور پھل دار باغوں میں لے جاتی۔ جہاں سرسوں کا بسنتی رنگ نیم وا کلیوں میں سے جھانک رہا ہوتا ہے اور ناشپاتی کی برہنہ بے برگ و بار سیاہ ٹہنیوں پر شبنم کے موتی نیچے گھاس پر ٹپک رہے ہوتے ہیں۔ ٹھٹھرتی بارش میں بھی کو بیتا کے ساتھ ویران باغ میں گھوم کر اس کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا۔ اور سارا جسم ایک حیرت انگیز آسمانی چمک سے دمک اُٹھتا۔ اور وہ بڑی محبت سے کو بیتا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے اُن بے برگ و بار سیاہ، ٹھنڈی، بارش میں بھیگی ٹہنیوں کو چومتا آگے بڑھ جاتا۔ بڑھتا ہی چلا جاتا۔ جہاں بہار کے موسم میں ناشپاتیوں کے سفید شگوفے کھلتے ہیں اور ان میں سے میٹھا رس ٹپکتا ہے، اور بھونروں کی ٹولیاں اپنی میٹھی گنجار کے ساتھ منڈلاتی پھرتی ہیں۔

لیکن ..... اب کچھ بھی تو نہیں رہا تھا، وہ کو بیتا نہیں رہی تھی، جس کی باہوں میں باہیں ڈال کر وہ ناشپاتی کے باغوں میں گھوما کرتا تھا۔ ظالم لٹیروں نے پھولوں سے بسنتی رنگ چھین لیا تھا، کلیوں کی مسکان چھین لی تھی۔ شبنم میں بھیگے ہوئے سرسبز و شاداب درخت بے برگ و بار کھڑے تھے۔ ناشپاتیوں کے سفید شگوفے مرجھا گئے تھے اور اُن میں سے رس کی بجائے زہر ہلاہل ٹپک رہا تھا۔

ایک لمبی سرد آہ بھری اُس نے اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کتنا لمبا سفر طے کیا تھا اُس نے۔ لیکن منزل ابھی اس سے کوسوں دور تھی، اس کے ساتھی اس سے بچھڑ گئے تھے۔ کیا وہ تنہا منزل کو پا سکے گا؟

کھڑکھڑاہٹ کی آواز سُن کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک کشمیری لڑکی جھاڑیوں کے پیچھے سوکھے پتّے اور ٹہنیاں جمع کر رہی تھی۔ فیروز نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن درد و کرب کی شدت سے وہ تڑپ اُٹھا، اور وہیں کو زمین پر ٹیک کر پتھر کے سہارے بیٹھ گیا۔ اس کی ہتھیلیاں چھلی ہوئی تھیں اور جابجا خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ پاؤں زخمی تھے، اور اُن پر مرہم نما کوئی لیپ لگا ہوا تھا۔

فیروز کو پتھر کے سہارے بیٹھا دیکھ کر وہ لڑکی جھاڑیوں سے باہر آگئی اور سوکھی لکڑیوں کا گٹھڑ ایک طرف رکھ کر فیروز کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اور دھر مسکان ہونٹوں پر بکھیر کر بولی۔

"کیسی طبیعت ہے بابو!"

"بابو —!؟" چونک کر فیروز نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اس لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم کون ہو —؟"

"بسنتی۔" لڑکی بولی۔

"میں کہاں ہوں —؟" فیروز نے پوچھا۔ نقاہت کی وجہ سے اُس کے لہجہ میں لکنت تھی۔

"رام بن یہاں سے آدھ کوس پر ہے — سُنا ہے اُدھر کشمیر میں آگ لگی ہے"۔

"سارا کشمیر جل رہا ہے — لیکن میں یہاں کیسے آگیا — تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"

"بابا ڈھونگا لے کر جہلم پار جا رہے تھے کہ تمھیں بہتے دیکھ لیا۔ اُدھر کشمیر

سے جہلم میں بہتی ہوئی روز اَن گنت لاشیں آتی ہیں اور بہتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن بابا کو تم میں کچھ جان دکھائی دی۔ وہ تمھیں ڈونگے میں ڈال کر کنارے پر لے آئے۔ ایک ہفتے سے ہم تمھاری ٹہل سیوا کر رہے ہیں۔ تم بے سُدھ پڑے تھے بابو ــــ کبھی آنکھ کھولتے تو چلّانے لگتے ــــ آگ لگی ہے آگ ــ آج تمھاری طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو بابا کندھے پر ڈال کر تمھیں یہاں لے آئے۔ پوچھنے سے پہلے کچلی بوٹی کا لیپ جو کرنا تھا!"

فیروز نے دیکھا، ایک بوڑھا ہاتھ میں تیل کی شیشی اور گھاس سی لئے اُن کی طرف آرہا تھا۔ بسنتی اس بوڑھے کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اُٹھی اور اس سے چمٹ کر بولی۔

"بابا! ــــ بابو کو ہوش آگیا ہے! ــــ اب وہ آگ آگ بھی نہیں چلّاتا!" پازیب کی جھنکار اور باریک سُریلی آواز سے فیروز کے ذہن کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ ایک بار نیم وا آنکھوں سے اُس نے بسنتی کی طرف دیکھا جو اپنے بوڑھے بابا سے چمٹی ہوئی تھی۔

اور پھر اُسے کویتا یاد آگئی۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹا!" بوڑھے نے فیروز کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔ پھر اس نے تیل کی شیشی اور گھاس بسنتی کو دے کر کہا۔ "یہ لے۔ اس کچلی بوٹی کو پیس کر، تیل میں ملا کر ایک بار پھر بابو کے زخموں پر لیپ کر دے میرا خیال ہے آج شام تک باقی زخم بھی مُرجھا جائیں گے۔"

دو تین دن میں فیروز چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا اور اس کے جسم کے سارے گھاؤ مندمل ہو گئے۔ لیکن اس کے دل میں جو ناسُور رِس رہا تھا اس کی ٹیس بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ جہلم میں بہتی ہوئی لاشیں اس بات کی

گواہی دے رہی تھیں، کہ اُدھر وادیٔ کشمیر میں تباہی مچی ہے۔ قتل و خون کا بازار گرم ہے اور حیوانیت بربریت کا ننگا ناچ دکھا رہی ہے!

رام بن ہندوؤں کا گاؤں تھا۔ یہاں کے اکثر لوگ بھیڑ پالتے تھے، اور اُن کا اون لے جاکر اوپر منڈیوں میں فروخت کر دیتے تھے۔ رام بن کے آس پاس بھی گوجروں کے گاؤں تھے۔ یہ سارے گاؤں ابھی تک محفوظ تھے کیونکہ یہ قبائلی لیٹروں کی زد سے پرے تھے۔ پاکستان کی سرحدیں یہاں سے کافی دور تھیں لیکن ایک نہ ایک دن یہاں بھی آگ لگنی تھی۔ قبائلیوں کی حکومت ہونی تھی۔ ہزاروں عورتوں کی عزّت و عصمت لوٹی جانی تھی۔

اور فیروز سوچنے لگا۔ اگر دھرم شالہ، رام بن، رام کوٹ، اوڈی، ادھم پور، جینی، جھنجھر، رام نگر کے گوجر متحد ہو کر اوپر کشمیر پر چڑھائی کر دیں تو یہ نہ صرف اپنے دیہاتوں کی حفاظت کر سکیں گے بلکہ کشمیر کو بھی بچا لیں گے۔ لیکن یہ سب کچھ ہو کیونکر؟ اس کا دماغ اس بات کا جواب دینے سے قاصر تھا۔

ایک دن وہ اسی اُدھیڑ بن میں ٹہلتا ٹہلتا دُور سرسبز پہاڑیوں پر بڑھتا چلا گیا جہاں آسمان چٹانوں کا منہ چوم رہا تھا۔ دودھیا بادل اُبھر اُبھر کر تیزی سے وادیٔ کشمیر کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ وہ بڑھتا چلا گیا اُس کے خیالات کا تار اُس وقت ٹوٹا جب شام کے دھندلکے نے رات کی چادر اوڑھ لی اور ٹیڑھی میڑھی راہ گذر اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ خاردار سنگلاخ چٹانوں سے ٹکراتا وہ نیچے کی طرف واپس مڑا۔

بالکل نیچے تلہٹی میں ایک ٹرک آکر رکا۔ فیروز کا ماتھا ٹھنکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یکے بعد دیگرے بیسیوں ٹرک آگئے۔ ان میں سے قبائلی پٹھان اُترے، خیمے اور تنبو گاڑے گئے۔ الاؤ جلائے گئے۔ اور وہ چھوٹا سا نشیبی ٹکڑا جگمگا اُٹھا۔

پتھروں سے ٹکراتا، پڑتا ... گرتا، پڑتا فیروز دوسرے راستے سے چھپتا چھپاتا نیچے اترا، اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں قبائلی لیڈروں نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ جگہ جگہ الاؤ جلے ہوئے تھے، بکرے بھونے جا رہے تھے اور ایک نوجوان لڑکی کے گرد وحشی قبائلی خوشی سے ناچ رہے تھے۔ وہ لڑکی سہمی سہمی سی درمیان میں کھڑی تھی، کبھی ایک قبائلی اسے اپنی طرف کھینچتا، کبھی دوسرا دست درازیاں کرتا۔ بے زبان بھیڑ کی طرح وہ لڑکی کبھی ایک قبائلی کے بازوؤں میں آ رہتی کبھی دوسرے کی آغوش میں سما جاتی۔ نفسانی خواہشات کی آگ میں جھلسے ہوئے وحشی قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔ نیم برہنہ لڑکی اپنے بے ترتیب کپڑوں کو سنوارنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

ایک نوجوان تنومند قبائلی اس لڑکی کی طرف بڑھا اور اسے اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔ سارے قبائلی پٹھان خوشی سے دیوانہ وار ناچنے لگے۔ جنون کی حالت میں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئے اور پھر جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک دلسوز دردناک چیخ ابھری اور قبائلیوں کے فلک شگاف قہقہوں میں گم ہو گئی۔ چیخیں ابھرتی رہیں، ڈوبتی رہیں اور کچھ دیر بعد سسکیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہانپتا کانپتا وہ تنومند قبائلی جوان جھاڑیوں سے باہر آیا تو ایک دوسرا قبائلی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا تیزی سے اس طرف لپکا۔ ایک بار پھر چیخ ابھری بے بسی، بے کسی، بربریت و حیوانیت کے پنجوں میں تلملا رہی تھی۔ قبائلی جھاڑیوں کے پیچھے جاتے رہے، واپس آتے رہے، چیخیں ابھرتی رہیں، ڈوبتی رہیں، وحشی قہقہے گونجتے رہے اور فیروز کانوں میں انگلیاں دیئے، آنکھیں بند کئے چھپا کھڑا تھا۔ درد و کرب میں ڈوبی ہوئی چیخوں سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔ وحشی بھیانک قہقہوں سے وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔

"سالی مرگیا" ایک پٹھان جھاڑی کے پیچھے سے نکل کر بولا: "سارا مزا کِرکِرا کر دیا"
"ہاں بئی!" دوسرا پٹھان بولا۔ جو شاید اپنی باری کا منتظر تھا۔
"سالی نے ہمارے ہی خنجر سے خودکشی کر لیا!" پہلا پٹھان مونچھوں پر تاؤ دے کر بولا۔
"ہاں بئی" اور دوسرا پٹھان تیزی سے جھاڑیوں کی طرف لپکا۔
تھوڑی دیر بعد ایک بھیانک مکروہ چیخ اُبھری۔ وہ پٹھان سینے پر ہاتھ رکھے جھاڑی سے باہر نکل آیا۔ خنجر اُس کے سینے میں گھسا ہوا تھا۔ خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ لڑکھڑا کر وہ قبائلی وہیں گر پڑا اور اس نے دم توڑ دیا۔
یہ مکروہ تماشہ ختم ہونے کے بعد سارے قبائلی بھنے ہوئے بکرے کھانے کیلئے الاؤ کی طرف چلے گئے۔ لیکن دو پٹھان بندوقیں کندھوں پر رکھے ابھی تک وہیں ٹہل رہے تھے۔ اُن میں سے ایک پٹھان نے بندوق کا دستہ مرے ہوئے پٹھان کی کھوپڑی پر مارا اور قہقہہ لگا کر بولا۔
"سالا عیاشی کرنے گیا تھا"
"لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے لال خاں؟" دوسرے پٹھان نے پوچھا۔
"جب میں اپنی باری پر جھاڑیوں کے پیچھے گیا تو وقت تو پورا کرنا ہی تھا" پہلا پٹھان بولا: "اُس لڑکی سے میں نے ہی کہا کہ تم تڑپو گی، چلاؤ گی اور سسک سسک کر جان دے دو گی لیکن ان حیوانوں کو تم پر ایک مرتبہ بھی رحم نہ آئے گا۔ یہ وحشی نوجوان عورتوں کی لاشوں سے اپنی نفسانی خواہشات کی آگ بجھاتے ہیں، زندہ عورت کو بھلا کیونکر چھوڑیں گے۔ اگر تمہیں اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دینی ہے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ خودکشی کر لو۔ اور اس اذیّت سے چھٹکارا پا کر ابدی نیند سو جاؤ۔

اپنا خنجر میں نے اُسے دے دیا تھا۔ اُس بہادر لڑکی نے میرا خنجر رحیم خاں کے سینے میں گھونپ دیا۔ اور اُس کے خنجر سے خودکشی کر لی۔"

اور لال خاں نے رحیم خاں کی لاش پر ایک ٹھوکر ماری اور اس کے سینے سے خنجر نکال کر قبضہ میں ڈال لیا۔

پھر مونچھوں پر تاؤ دے کر بولا۔

"اور غلام حسین اپنی باری پر تم کیا کرتے رہے؟"

"میری تو باری ہی نہیں آئی۔ آتی تو میں خودکشی کر لیتا!" غلام حسین نے جواب دیا۔ "کیونکہ جانا تو پڑتا ہی۔ نہ جاتا تو راز افشا ہونے کا ڈر تھا۔ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔"

فیروز کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وُہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ بات کیا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے، یہ پٹھان کون ہیں۔ اچانک ٹہلتے ٹہلتے وُہ پٹھان اس کے عین سامنے آ گئے۔ فیروز کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ روح حلق میں آ کر اٹک گئی۔ لال خاں نے دیکھتے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔ غلام حسین نے بندوق کا دستہ اُس کے سر پر مارا۔ فیروز کا سر چکرا گیا۔ آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچنے لگے، اس کے اعضاء ایک دم ڈھیلے پڑ گئے۔

"مارو سالے کو، مسلمان معلوم ہوتا ہے۔" غلام حسین چیخا۔

"نہیں، سردار کے سامنے پیش کریں گے، وہی سزا دے گا!" لال خاں بولا۔ اور گھسیٹتا ہوا اُسے خیمے کی طرف لے چلا۔

دھُندلی دھُندلی آنکھوں سے فیروز نے دیکھا، الاؤ جل رہے تھے، بکرے بھُن رہے تھے، گوشت کے جلنے کی بُو ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی اور قبائلی پٹھان ہڈیاں بچھوڑتے، اُچھلتے کودتے جشن منا رہے تھے۔ دو ٹرک آئے، اور اُن میں سے

بھیڑ بکریوں کی طرح کشمیری عورتیں نیچے اُتاری گئیں۔ قبائلی بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس کی طرف لپکے اور جوان جسموں کی لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جس کے ہاتھ جو عورت لگی وہ اس کو کاندھے پہ اُٹھا کر جھاڑی کی طرف بھاگ گیا، ایک بار پھر حیوانیت اپنا ننگا ناچ دکھانے لگی۔ فلک شگاف قہقہے گونجے، دلدوز چیخیں اُبھریں اور پھر سسکیوں، آہوں، کراہٹوں میں بدل گئیں۔

دونوں قبائلیوں نے اُسے پکڑ رکھا تھا اور اُسے سردار کے خیمے کی طرف لے جا رہے تھے — خیمے کے باہر پہنچ کر انھوں نے فیروز کو اندر دھکا دے دیا، اور چلّا کر بولے۔

" سردار! — باغی ہے، جاسوسی کرنے کے لئے یہ خیموں کے آس پاس گھوم رہا تھا۔"

"سر قلم کر دو۔" سردار کی بھیانک آواز گونجی۔

دونوں فیروز کو پکڑتے کھینچتے ہوئے اندر آئے تو سردار بولا۔

"لیکن ٹھہرو — ! کل عظیم آرہا ہے، اُس کے سامنے اِسے گولی داغی جائے گی۔"

فیروز نے سر اُٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ اُسے سردار کہیں بھی نظر نہ آیا۔ خیمے میں صرف اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"لال خاں اور غلام حسین! — تم اس جاسوس کتّے کو اپنے خیمے میں لے جا کر قید کر دو۔ مسلمان ہو کر جاسوسی کرتا ہے۔ اس ملّت فروش کی زندگی کا آج آخری دن ہے، جی بھر کے اُسے عیش کرنے دو۔ بھنا ہوا گوشت دو۔ شراب کے پیالے دو۔ جوان جسم دو۔ اور صبح سورج نکلتے ہی عظیم کے سامنے اِسے گولی داغ دو۔"

اور فیروز کو سردار کے برابر والے خیمے میں مقید کر دیا گیا۔ باہر لال خان اور غلام حسین سنگین ہاتھ میں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ فیروز نے ایک بار سردار کے خیمے میں جھانک کر دیکھا، کہ وہاں اور کون کون ہے لیکن اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ قبائلی سردار کی پُشت اس کی طرف تھی۔ اور وہ کھلی ہوئی بندوق کے پُرزوں کو ترتیب دے رہا تھا۔

واپس مُڑ کر فیروز نے اپنے خیمے کا جائزہ لیا اور پھر تپائی پر بیٹھ کر سوچنے لگا، کہ یہ لوگ کیوں مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ میں مسلمان ہوں اور یہ میری جان کے درپے ہیں۔

رات کو دسترخوان پر بہترین مرغّن لذیذ کھانے چُنے گئے۔ اور تازہ کشید کی ہوئی شراب پیش کی گئی۔ دسترخوان پر اُس نے لال خان اور غلام حسین کو بھی بُلا لیا۔ پہلے تو وہ ہچکچائے، اپنی بندوقوں کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا لیکن مرغن کھانوں کی خوشبُو نے اُن کی نیّت خراب کر دی۔ ہونٹوں پر زبان پھیر کر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہوئے اور وہ دونوں اندر آ کر فیروز کے ساتھ ہی کھانے میں شریک ہو گئے۔

کھانے کے درمیان فیروز بولا۔

"میں مسلمان ہوں، پھر بھی تم لوگ مجھ پر شک کرتا ہے اور میری جان لینا چاہتا ہے؟"

ہاتھ کا نوالہ غلام حسین نے وہیں چھوڑ دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کھانا کھلا کر بہکانا چاہتا ہے۔ جاسوسی کرتا ہے، اس کا جواب سردار دے گا۔ جب ہم کو یہ پتہ نہیں کہ تم کو اِتنا لذیذ کھانا کیوں کھلایا جا رہا ہے، اتنا بہترین شراب کیوں پیش کیا گیا ہے، تو ہم یہ کیونکر جان سکتا ہے کہ تم مسلمان ہے، پھر

بھی تمھیں کیوں قتل کیا جائے گا!"

فیروز نے غلام حسین کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

" تم ہمارا دوست! ــــ دسترخوان چھوڑ کر کہاں جاتا ہے، تم ہمارے ساتھ کھانا ضرور کھائے گا۔"

غلام حسین بیٹھ گیا اور لال خاں کے ساتھ پھر کھانا کھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فیروز نے کہا۔

" تمھارا سردار بہت ظالم ہے!"

" ہوں" لال خاں لقمہ نگل کر بولا۔

"کیوں ہم کو بے موت مرواتا ہے۔ ہم اسلام کا سچّا خدمتگزار ہے۔ ہم سرینگر جاکر تمھارے لئے دولت لائے گا، بڑھیا بڑھیا چیزیں لائے گا۔"

" کشمیری عورت بھی لائے گا؟" غلام حسین نے مونچھوں پہ ہاتھ پھیر کر کہا

" ضرور لائے گا ــــ تم ہم کو چھوڑ دے گا، تو ہم تمھاری خدمت کرے گا!"

فیروز نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔

"کیا لائے گا؟" لال خاں حقارت بھرے لہجہ میں کہا۔" تم بزدل ہے۔ تم کشمیر کا مسلمان، کشمیر کا ہندو بزدل ہے۔ تم نے ہم کو دعوت دیا۔ ہم نے تمھارا دعوت قبول کیا۔ اب ہم خود سرینگر جائے گا۔ وہاں جاکر مزے لوٹے گا۔ کشمیری عورت پشاور اور مردان کے بازار میں فروخت کرے گا۔ خوب دولت بنائے گا ــــ تم اپنا عورت کو نہیں سنبھال سکتا، اپنا ملک کا حفاظت نہیں کرسکتا، ہمارا خدمت کیا کرے گا۔ تم بزدل ہے، ہمارے بازو میں قوّت ہے، ہم بزور شمشیر کشمیر فتح کریگا سردار نے ہم کو بولا ہے، کشمیر پٹھان کا ہے، قبائلی کا ہے، نہ ہندو کا ہے نہ مسلمان کا ہے۔ وہاں کا دولت، وہاں کا عورت، وہاں کا باغات سب ہمارا ہے۔ ہم

اپنا عورت کے لئے یہاں سے خادمہ لے جائے گا۔ اُسے خوب سارا دولت دے گا۔ زیور بنا کر دے گا، تم کیا کرے گا؟ کرتا کیا ہے، ہمارا ایک گولی ضائع کر لے گا"۔

"تو تم ہم کو نہیں چھوڑے گا دوست!" فیروز نے پوچھا۔

"تم ہم کو گولی مروانا چاہتا ہے —— سردار ہمارا سر قلم کر دے گا —— سردار بڑا ظالم ہے!"

خیمے کا پردہ ہلا اور ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی چہرے پہ باریک سا نقاب ڈالے اندر داخل ہوئی۔ غلام حسین اور لال خاں نے معنی خیز نظروں سے ایکدوسرے کی طرف دیکھا اور گھنی مونچھوں پر مسکراہٹ بکھیر کر لال خاں بولا۔

"سالا عیش کرتا ہے اور مرنے سے ڈرتا ہے"۔

اور وہ دونوں اپنی بندوقیں سنبھالتے ہوئے پہرہ دینے کے لئے خیمہ سے باہر آ گئے۔

فیروز نے ایک بار غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھا اور چونک کر بولا۔

"تم؟ —— رابعہ تم یہاں؟"

"ہاں میرے سرتاج! —— میرے محبوب ——!!" اور رابعہ فیروز کے قدموں میں گر پڑی۔ "میں آپ کے احسان کا بدلہ چکانے آئی ہوں"۔

"احسان!" فیروز گردن گھما کر بولا۔ "میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اور نہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ پر کوئی احسان کرو"۔

"لیکن میرے محبوب، میرے سرتاج! میں تمھیں اپنا مالک سمجھ کر کہہ رہی ہوں۔ لونڈی مالک کے کسی کام آسکے تو یہ اس کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے"۔

"رابعہ! —— میں ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں!" فیروز قدرے تیکھے لہجہ میں بولا۔ "میں مر جاؤں گا، لیکن تمھارا احسان قبول نہیں کروں گا! مجھے تم سے

سخت نفرت ہے، میں تم جیسی غدّار، بے حیا، آبرو باختہ اور عصمت فروش لڑکی سے بات تک کرنے کا روادار نہیں۔"

"آپ جو کہیں میرے مالک! میں سُن لوں گی۔ لیکن لونڈی پر آپ نے کوئی احسان کیا تھا!"

فیروز نے اکڑ کر جواب دیا

"وُہ احسان نہیں، میرا فرض تھا!"

"تو آج لونڈی کو اپنا فرض نبھانا ہے میرے آقا!" اور رابعہ نے بے اختیار اپنی مرمریں باہیں فیروز کی گردن میں حمائل کر دیں اور گلاب کی نرم و نازک سرُخ پتیّوں کی طرح پھڑ پھڑاتے ہوئے اس کے لب، فیروز کے ہونٹوں کی طرف بڑھنے لگے۔

دامن جھٹک کر فیروز نے اُسے پرے دھکیل دیا ——— اور پھر اس نے کڑک کر کہا۔

"یہاں سے چلی جاؤ رابعہ! ——— میں تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔" اور اس نے باہر جھانک کر دیکھا۔ غلام حسین اور لال خاں خیمے سے لگے اُن کی گفتگو سُن رہے تھے۔

"سردار نے مجھے تمہاری خدمت کے لیے بھیجا ہے۔ کیا ایک رات کے لئے بھی مجھے اپنی خدمت کا موقع نہ دو گے؟" اور رابعہ بے اختیار فیروز سے چمٹ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"دُور ہو جا میری نظروں کے سامنے سے ذلیل لڑکی! چچوڑی ہوئی ہڈی کتوں کے سامنے ڈالی جاتی ہے۔ میں اتنا ذلیل، کمینہ اور بے غیرت نہیں ——— کشمیر جل رہا ہے، ظالم لٹیروں نے قتل و خون کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اسلام کی آڑ لیکر

کیا کیا ظلم نہیں جو کشمیری عوام پر قبائلی لٹیرے نہیں توڑ رہے ہیں۔ کیا ہندو، کیا مسلمان، سرِ بازار برہنہ عورتوں کے جلوس نکالے جا رہے ہیں اور تجھ جیسی بے غیرت اور بے حیا لڑکیاں اُن ہی پٹھانوں کی عیّاشی کے سامان مہیّا کر رہی ہیں۔ تجھے اگر مجھ سے اتنی ہی محبّت ہے تو بغاوت کر دے اپنے آپ سے ــــ اپنے دل کی آواز کو نہ سُن، جسمانی خواہشات کی طرف دھیان نہ دے ــــ اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر کشمیر پر قربان ہو جا! ــــ میں عظیم کا خون چاہتا ہوں، تُو کر سکتی ہے؟ ــــ بول، تجھ میں ہمّت ہے؟"

سسکیوں کی آواز نے خیمے کے گہرے سکوت کو توڑنے کی ناکام کوشش کی۔ رابعہ رو رہی تھی۔ فیروز رابعہ کے کانوں کے پاس مُنہ لے جا کر اعتماد بھرے لہجہ میں الفاظ چبا چبا کر بولا۔

"سُنا ہے کل عظیم آ رہا ہے، کل میری زندگی کا آخری دن ہے عظیم کے سامنے مجھے گولی ماردی جائے گی۔ میں چاہتا ہوں مجھ سے پہلے عظیم کا سر قلم کر دیا جائے، اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے ــــ بول تو یہ کام کر سکتی ہے؟ ــــ کشمیر کے لئے! ــــ میرے لئے ــــ!!"

روتی ہوئی رابعہ کے لب پھڑپھڑائے۔ وُہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ جیسے حلق میں آ کر اٹک گئے تھے۔ وہ اس کے پاؤں میں گر پڑی۔ اس کے قدموں کی خاک کو چوما اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر خیمے سے باہر نکل گئی۔

رابعہ کے چلے جانے کے بعد غلام حسین اور لال خاں اندر آئے۔ دونوں نے اپنی بندوقیں سرنگوں کر لیں۔ لال خاں نے اُسے سینے سے لگا لیا۔ اور اس کے کانوں کے پاس منہ لے جا کر سرگوشی کے لہجہ میں بولا۔

"تم ہمارے دوست ہو! ــــ ہمیں تمھارے ہی جیسے نوجوانوں کی ضرورت

ہے۔"

"تم..... تم ..... کیا تم قبائلی نہیں ہو ---؟ حیرت و استعجاب سے فیروز نے پوچھا۔

"نہیں ---" لال خاں بولا۔ "وقت اور مصلحت نے ہمیں پٹھان بنا دیا ہے۔ ہم بھی کشمیر کے سپوت ہیں اور تمھاری ہی طرح ستائے ہوئے ہیں۔ موقع کی تلاش میں ہیں --- زندگی سے پیار نہیں، کشمیر سے پیار ہے۔"

"تمھارا نام؟" فیروز نے اُن سے پوچھا۔

"کس کا کیا نام ہے، اِس سے تم کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم ہندو ہیں۔ اگر ایک مرتبہ بھی غلطی سے تمھارے مُنہ سے ہمارا اصلی نام نکل گیا، تو نہ تم زندہ بچوگے اور نہ ہم! --- ہم کشمیر کے سپوت ہیں، میرا نام غلام حسین ہے اور اس کا نام لال خاں --- تمھارا کیا نام ہے؟"

"فیروز ---!"

"میرے پیارے ساتھی فیروز!" لال خاں بولا۔ "کل عظیم آ رہا ہے --- سردار نے اُسے بلایا ہے۔ اچانک ہی کمک بند ہو گئی ہے۔ رسد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اور سردار نے عظیم کو کہلا بھیجا ہے کہ فوراً ہی نقد روپیہ، کافی تعداد میں غیر ملکی ساخت کا جدید اسلحہ اور ایک ہزار حسین و جمیل کشمیری عورتیں جلد از جلد نہ بھیجی گئیں تو قبائلی پٹھان بغاوت کر دیں گے۔ اور کسی کے روکے سے نہ رُکیں گے۔"

"یہ تمھارا سردار بڑا ظالم معلوم ہوتا ہے ---؟" فیروز نے لال خاں سے پوچھا۔

"پہلے ایک دوسرا سردار یہاں تھا!" غلام حسین نے جواب دیا۔ "عظیم

اور اس سردار کی معرفت صوبہ سرحد اور بلوچستان کے بازاروں میں کشمیری عورتیں فروخت کی جاتی تھیں، عورتوں کا بھاؤ گر گیا۔ بازار میں مندہ آ گیا۔ تو موجودہ سردار نے عظیم سے کہہ کر اُس سردار کو مروا ڈالا۔"

"اور اَب یہ سردار نہ معلوم ان عورتوں کا کیا کرتا ہے!" غلام حسین کی بات کاٹ کر لال خاں بولا۔ "ہزاروں کی تعداد میں نوجوان لڑکیاں آتی ہیں اُن میں سے کچھ کو قبائلیوں کی عیّاشی کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، باقی کہاں جاتی ہیں، خدا جانے!"

"اور سردار اپنے لئے عظیم سے کہہ کر خاص تحفے منگواتا ہے!" غلام حسین مسکرا کر بولا۔

"خاص تحفے؟" فیروز چونکا۔

"ہاں، ایک مرتبہ عظیم ایک خوبصورت لڑکی لے کر آیا۔ وہ اپنی تباہی اور بربادی پر آنسو بہا رہی تھی۔ سردار نے کڑک کر عظیم سے کہا کہ میں چچوڑی ہوئی ہڈی کھانے کے لئے تیار نہیں۔ اور اس کے بعد سے جب بھی عظیم کسی لڑکی کو لے کر آتا ہے سب سے پہلے یہی کہتا ہے کہ سردار! اس حسینہ کو اگر میں نے ہاتھ بھی لگایا ہو تو فوراً خدا کا قہر مجھ پر نازل ہو جائے!"

"مجھے تو اس سردار پر بھی شک ہے!" غلام حسین نے کہا۔ "سُنا ہے ہندوستانی فوج سرینگر میں آ گئی ہے۔ کہیں عظیم اور سردار قبائلیوں کو موت کے مُنہ میں جھونک کر خود کشمیری عورتوں کو لے کر کوہاٹ یا بنوں نہ پہنچ جائیں۔"

خیمے کے باہر آہٹ ہوئی تو تینوں خاموش ہو گئے۔ غلام حسین نے باہر جھانک کر دیکھا اندھیرے میں کوئی بھاگا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دو مسلح قبائلیوں کے ساتھ سردار خیمے میں آیا۔ غلام حسین

اور لال خاں سے بندوقیں چھین کر انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور فیروزہ کا ہاتھ پکڑ کر سردار اپنے خیمے میں لے گیا۔

وہ غرّا رہا تھا۔

"سعادت خاں سے ٹکّر لینے والا ابھی تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ غداروں کو بھاری پتھروں کے نیچے کچل دیا جائے گا ــــ ان کی لاشیں گدھ کھائیں گے۔ ان کی ہڈیاں کتّے چچوڑیں گے۔"

اور سحر زدہ فیروزہ سردار کے ساتھ اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔

صبح ہونے سے پہلے فیروز کو چھوڑ دیا گیا۔

وہ تیزی کے ساتھ رام بن کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ نہ معلوم اتنی طاقت، اتنی قوت اُس میں کہاں سے آ گئی تھی۔

علی الصبح وہ رام بن پہنچ گیا۔

بابا کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بسنتی دیوار کی اوٹ میں کھڑی بلک بلک کر رو رہی ہے۔ فیروز نے وجہ پوچھی تو بسنتی کچھ نہ بولی۔ بلکہ اور زور زور سے رونے لگی۔ فیروز کو صرف اتنا پتہ لگ سکا کہ بابا پنچایت میں گیا ہے۔ گاؤں والوں سے پوچھتا ہوا وہ پنچایت گھر کی طرف پہنچا۔ فیروز کو آتا دیکھ کر لوگوں کی سرگوشیاں بند ہو گئیں۔ اُسے دیکھ کر بابا اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"ہمری پنچایت کا فیصلہ آج تم کر دو نا بابو!"

"گھر کے جھگڑے بعد میں نپٹا لینا بابا ـــ آج وطن کا جھگڑا نپٹا دُ ـــ کشمیر تمھیں بلا رہا ہے! ۔وہاں آگ لگی ہے۔"

"یہ عجت کا سوال ہے بیٹا! ہم آن پہ جان دے دیتے ہیں۔"

فیروز نے بھرپور نظروں سے پنچوں کی طرف دیکھا، پھر مجمع پہ ایک نظر ڈالی ـــ ایک نوجوان کو سر جھکائے کھڑا دیکھ کر وہ معاملہ کی تہ

تک پہنچ گیا۔

"شاید تم بسنتی سے پیار کرتے ہو؟ میں نے تمہیں ایک دن اس کے ساتھ دیکھا تھا۔" فیروز نوجوان سے مخاطب ہو کر بولا۔

"یہ پیار دیار کی بات نہیں ہے بابو!" ایک دوسرا نوجوان کڑک کر بولا۔ "اس نے گاؤں کی عزت لوٹی ہے، گاؤں کی آبرو پر حملہ کیا ہے۔ ہم اس کا خون پی جائیں گے لیکن یہ انرتھ برداشت نہیں کریں گے۔"

"یہ جھوٹ ہے!" نوجوان اپنے سر کو جھٹک کر بولا۔ "میں بسنتی کو چاہتا ہوں اور وہ مجھے پیار کرتی ہے۔ گنگا کے نرمل پانی کی سوگند۔ وہ بالکل پوتر ہے۔"

"اگر بسنتی کی عزت لٹ بھی جاتی، تو اس سے کیا فرق پڑتا۔" فیروز تلملا کر بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو بابو! —— ہوش میں تو ہو؟" ایک ساتھ کئی آوازیں اُبھریں۔ پنچوں کی آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔

"میں ہوش میں ہوں، تم بے ہوش ہو۔" کڑک کر فیروز بولا۔ "انگارے برساتی ہوئی آنکھیں میری زبان بند نہیں کر سکتیں۔ گاؤں کی ایک لڑکی کسی سے پریم کرنے لگے تو تمہارا خون کھولنے لگتا ہے، تم اسے اپنی بے عزتی سمجھتے ہو۔ ایک لڑکی کی آبرو لوٹی جائے تو تم مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے ہو کیونکہ یہ تمہارے گاؤں کی لڑکی ہے، تمہاری عزت و ناموس ہے —— تم بزدل ہو، کشمیر کی عزت تمہارے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ماؤں اور بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کی عزت کا اتنا ہی خیال ہوتا تو یوں چوڑیاں پہنے گھروں میں نہ بیٹھے رہتے۔ کشمیر میں آگ لگی ہے۔ پونچھ، میرپور، بارہ مولہ،

مظفر آباد، گڑھی حبیب اللہ میں شیطان کی حکومت ہے۔ قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ برہنہ عورتوں کے جلوس نکالے جا رہے ہیں۔ کشمیر کے تحفظ کی آڑ لے کر پاکستانی فوجیں، بلوچی لیٹرے قبائلیوں کے ساتھ لوٹ مار کر رہے ہیں اور تم دم سادھے خاموش بیٹھے ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اگر اسی طرح خاموش بیٹھے رہے تو ایک دن یہ آگ یہاں بھی بھڑکے گی ـــــ بسنتی کی عزت و ناموس ابھی تو محفوظ ہے پھر محفوظ نہ رہے گی۔ ہزاروں بسنتیاں قتل ہونگی، اُن کی آبروؤں پر ڈاکہ ڈالا جائے گا، انھیں سر بازار فروخت کیا جائے گا۔ پھر کیسے تم پنچایت کے سامنے پیش کروگے۔ کیسے سزا دوگے؟"

پنچایت پر خاموشی طاری تھی: جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو ـــــ بسنتی کا عاشق فیروز کے قدموں میں گر پڑا۔ اور بھرائے ہوئے لہجہ میں بولا۔

"بس کرو دوست، اب زیادہ نہیں سُنا جاتا۔ میں بسنتی کی حفاظت کروں گا، ایک نہیں، ہزاروں بسنتیوں کی حفاظت کروں گا۔"

"تم باغی ہو ـــــ بے حیا اور بد چلن ہو، کیونکہ تم بسنتی کو چاہتے ہو، اور یہ سب بہادر اور سرخ رُو ہیں کیونکہ ان کے دل ڈانواں ڈول ہیں۔ کیونکہ یہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنی بہنوں، بیٹیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے"، اپنے ملک کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں میدان میں کود پڑو، تمہیں ایک بار مرنا ہے، مر جاؤ۔ ملک اور قوم پر نچھاور ہو جاؤ۔ زندہ رہے تو نئے کشمیر کے معمار کہلاؤگے۔ بولو نیا کشمیر!"

اور فضا بھرپور نعرے سے گونج اُٹھی۔

"زندہ باد!!"

ایک بار پھر نعرہ گونجا۔

"نیا کشمیر!"

"زندہ باد ——!!"

"مادرِ وطن!"

"زندہ باد ——!!"

فیروز کہنے لگا

"دشمن کو کمک ملنی ختم ہوگئی ہے، رسد کے راستے بند ہوگئے ہیں، اپنے ساتھ دوسرے گاؤں کو ملاتے ہمیں آگے بڑھتے جانا ہے۔ راستے میں قبائلیوں کا جو بھی مورچہ ملے اُس سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔ لیٹروں کے پاس اسلحہ ختم ہو چکا ہے، ہو سکتا ہے بروقت کمک پہنچ جائے، اس لئے دشمن کو کمزور نہ سمجھنا، ڈٹ کر ہمّت سے مقابلہ کرنا ہے!"

"مادرِ وطن!"

"زندہ باد ——!!"

"نیا کشمیر!"

"پائندہ باد ——!!"

نعروں سے فضا گونج اُٹھی۔ جس کے ہاتھ میں جو بھی آیا اُس نے وہی اُٹھالیا۔ کسی کے ہاتھ میں برچھا تھا، کسی کے ہاتھ میں تلوار، اور کوئی گنڈاسہ ہاتھ میں لئے اُسے ہوا میں لہرا رہا تھا۔ جوشیلے نعرے لگاتا، رام بن کے نوجوانوں کا قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ شام ہوگئی تو فیروز بولا۔

"اَب ہمیں دشمن پر حملہ کرنے کے لئے رات یہاں گذارنی ہے!"

نوجوانوں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ آگ سلگا کر کھانا بنانے لگے، پہاڑ کے ایک طرف رام بن کے بہادر سپوت مورچہ جمائے اگلے حکم کے منتظر تھے،

اور دوسری طرف قبائیلیوں کے الاؤ جل رہے تھے۔ بکرے بھونے جا رہے تھے اور جشن ہو رہا تھا، لیکن آج کا جشن قدرے پھیکا تھا۔ کشمیری عورتوں کا ایک بھی ٹرک آج اُدھر نہیں آیا تھا۔

رات کے بھیانک اندھیرے میں، ایک مشعل کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فیروز اُدھر لپکا۔ پاس پہنچا تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ غلام حسین اور لال خاں اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"کیا خبر لائے ہو؟" فیروز نے جلدی سے پوچھا۔

"عظیم نہیں آیا ہے؛" لال خاں نے کہا۔

فیروز کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔

"شاید کمک بند ہو گئی ہے"، غلام حسین بولا۔ "اب اگر ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اوپر وادیٔ کشمیر کی طرف چلیں، تو فتح و کامرانی ہمارے قدم چومے گی۔"

"یہ تو صحیح ہے، لیکن سردار کا کیا پروگرام ہے!"

"سردار نے عظیم کے پاس اطلاع بھیجی تھی۔ عظیم نے یہاں آنے سے معذوری ظاہر کی ہے اور نوشہرہ میں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"پھر ۔۔۔؟" سوالیہ نظریں فیروز نے غلام حسین کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"سردار یہاں سے ہلے گا نہیں۔ جب تک وہ عظیم سے کورا جواب حاصل نہ کرے آئندہ اقدام کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ اور ۔۔۔"

"میرا خیال ہے تم اپنے ساتھیوں کو یہیں روکے رکھو" غلام حسین کی بات کاٹ کر لال خاں بولا۔ "اور فوراً سردار سے جا کر ملو، وہ تم سے چند

ضروری مسائل پر بات کرنا چاہتا ہے۔"

رام بن کے نوجوان ساتھیوں کو ضروری ہدایتیں دے کر، اُن سے اجازت لے کر، فیروز سردار سے ملنے چل دیا۔ تو کے تڑکے وہ قبائیلیوں کے ڈیرے پر جا پہنچا۔ سردار کے خیمے کے پاس جیپ کھڑی دیکھ کر فیروز کا ماتھا ٹھنکا۔ لمحہ بھر بعد ہی اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ فوجی وردی میں ملبوس عظیم جیپ سے اُترا۔ اور خیمے کی طرف بڑھا۔ غلام حسین اور لال خان کی مدد سے فیروز عقبی راستے سے سردار کے خیمے میں داخل ہوا اور پردے کے پیچھے دم سادھ کر کھڑا ہو گیا۔

عظیم نے سردار سے مصافحہ کیا اور مسکرا کر بولا۔

"خادم آپ کے لئے آج ایک عظیم تحفہ لایا ہے۔"

"تم جانتا ہے عظیم، ہم کیسا مال پسند کرتا ہے؟"

"اچھّی طرح جانتا ہے سردار! ہندوستان کا تاج محل مشہور ہے، تو کشمیر کا یہ نایاب تحفہ! —— خاکسار صرف انتخاب کی داد چاہتا ہے اور کچھ نہیں"۔

عظیم کے اشارے پر دو نوجوان ایک کشمیری لڑکی کو اُٹھا لائے، اور اُسے سردار کے پاؤں کے پاس لِٹا دیا۔ نیم بیہوشی کی حالت میں لڑکی نے ایک مرتبہ سردار کی طرف دیکھا۔ وحشت سے اس کی چیخ نِکل گئی۔

سردار چونکا، اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

فیروز نے دیکھا، غور سے دیکھا —— اس کی چیخ حلق میں آ کر اٹک گئی۔ کویتا سردار کے قدموں میں بے ہوشی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی اور عظیم اس کے بالوں کی لٹ کو پیشانی سے ہٹا کر کہہ رہا تھا۔

"تحفہ پسند آیا سردار کو؟" اور پھر وہ کویتا کے رخساروں پر ہاتھ

پھیرنے لگا۔

"عظیم ـــ!" سردار گرجا۔ اس کی بھیانک آواز سے عظیم کی بھی رُوح کانپ گئی۔ فیروز گھبرا گیا، اس نے دیکھا سردار کی آنکھوں سے قہر برس رہا تھا۔

"تم جانتے ہو، ہم جُوٹھا کھانے کے عادی نہیں۔"

"سردار! بالکل معصوم اور بھولی بھالی لڑکی ہے۔ عصمت مآب ـــ دس بارہ دن سے بے ہوش پڑی ہے۔ کچھ طبیعت سنبھلی تو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔"

"لڑکی دے کر بہکانا چاہتا ہے ـــ بولو ہتھیار لایا ہے؟ روپیہ لایا ہے؟ کشمیری عورت لایا ہے؟ ـــ ہم بنوں اور کوہاٹ کے بازاروں میں کیا فروخت کرے گا؟ اپنی عورت کو کیا جواب دے گا۔ کہ ہم کشمیر سے بھوکا ننگا واپس لوٹا ہے ـــ ہتھیار نہیں ہوگا تو ہم لڑے گا کیونکر ـــ تم ہمیں بیوقوف سمجھتا ہے ـــ؟"

"نہیں سردار! بات یہ ہے......"

"بازار مندہ ہے اور عورت تم کم سے کم پکڑ کر لایا ہے، اس کا وجہ کیا ہے مار ڈالتا ہے سب کو؟"

"نہیں سردار! میں نے تمام مورچوں پر جا کر خود حکم دیا ہے کہ عورتوں کا قتل بند کر دیا جائے، انھیں گرفتار کر لیا جائے۔"

"اور اسلحہ کا کیا ہوگا؟ نقد روپیہ کب ملے گا؟"

نقد روپیہ میں لایا ہوں، اسلحہ کی آمد بند ہو گئی ہے۔ جب سے میرپور کا اسلحہ خانہ تباہ ہوا ہے کراچی نمبر ٹو سے اسلحہ آنا بند ہو گیا ہے، میں خود پریشان ہوں۔"

اور کویتا کی طرف اشارہ کر کے عظیم بولا۔

"جس تہ خانہ میں اس لڑکی کو بند کر رکھا تھا، یعنی نمبر فور پہ، وہاں سے بھی کمک بند ہو گئی ہے۔ میں نے پاکستان سرکار کو لکھا ہے' مغربی ساخت کا جدید اسلحہ نہ ملا تو مجھے پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے مجھے دو ایک دن تک کراچی جانا پڑے گا۔ کہیں نمبر فور میں اس لڑکی نے تو گڑبڑ نہیں کر دی، اس کے سامنے ہی میں کراچی سے بات کیا کرتا تھا۔"

"لیکن تم کہتا ہے یہ لڑکی بے ہوش تھا!" سردار نے کہا۔

"ہاں، تھا تو بیہوش، مگر یہ بڑی ظالم لڑکی ہے سردار — میری بہن کے ساتھ سازش کر کے نمبر ۲ کراچی سے کمک کا سلسلہ اسی نے منقطع کرایا تھا۔"

خادم شراب لے آیا تھا، اور پیگوں میں شراب ڈال کر سردار نے ایک پیگ عظیم کو دے دیا اور دوسرا خود لے لیا۔ عظیم نے ایک ہی گھونٹ میں پیگ خالی کر دیا اور کہنے لگا۔

"بالکل تازہ معلوم ہوتا ہے!"

"ہمارے پاس ہر سال تازہ ہوتا ہے — اسلحہ بھی — گولہ بارود بھی — اور....."

"عورت بھی —!" دوسرا پیگ گلے سے اُتار کر عظیم نے سردار کا فقرہ پورا کر دیا۔

"آج ہم تمہاری دعوت کرے گا دوست! آج تم بہت دنوں بعد آیا ہے، ہمارے لئے خدمت کا جذبہ لے کر۔ کیا معلوم پھر کبھی ملنا ہو یا نہ ہو۔"

اور سردار نے عظیم کے کان میں کچھ کہا تو وہ بولا۔

"چلو آج ہی سہی — لیکن صبح مجھے واپس جانا ہے۔"

"صبح سے پہلے تمھیں بالکل فارغ کر دوں گا!" فارغ پہ زور دے کر سردار بولا۔

گھوڑوں پر زینیں کس دی گئیں۔ عظیم کو گھوڑے پہ بٹھا کر سردار دوبارہ خیمہ میں آیا اور فیروز کے کان میں کچھ کہا۔

"لیکن قبائلی بغاوت کر دیں گے؟" فیروز نے شک کا اظہار کیا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے آج کے کھانے میں سب کو زہر دے دیا ہے! ابدی نیند سو گئے ہیں سب! تم غلام حسین اور لال خاں کی مدد سے کویتا کو رام بن کے ڈیرے پہ پہنچا دو، اور پھر تینوں جبیل کوٹ آجاؤ۔ غلام حسین کو راستہ کا پتہ ہے!"

گھوڑوں کی ٹاپ جب مدّھم ہوگئی تو فیروز خیمے سے باہر نکلا۔ غلام حسین اور لال خاں جیپ کے پاس کھڑے تھے۔ تمام اسلحہ، گولا بارود، دستی بم، اور بندوقیں جیپ کے پچھلے حصّہ میں ڈال کر اگلی سیٹ پر انھوں نے کویتا کو لٹا دیا۔

غلام حسین جیپ چلا رہا تھا اور لال خاں اور فیروز پچھلے حصہ میں کارتوسوں کی پیٹیوں پہ بیٹھے تھے۔

رام بن پہنچ کر فیروز نے سب جوانوں کو جبیل کوٹ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ وہیں اُسے پتہ لگا کہ گوجروں کا ایک اور ہجوم برچھیوں، گنڈاسوں اور تلواروں سے مسلّح جبیل کوٹ کی طرف گیا ہے اور ان کی رہنمائی ایک اپوڈیٹ کشمیری نوجوان کر رہا ہے۔

رام بن کے نوجوان پیدل ہی جبیل کوٹ کی طرف بڑھے۔ ایک گھوڑے پہ انھوں نے کویتا کو لٹا رکھا تھا۔

اور فیروز کی جیپ برق رفتاری سے ٹیڑھے میڑھے راستے کاٹتی ہوئی منزلِ مقصود کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ کچھ دُور جا کر اُنھیں ایک اور قافلہ ملا جو نعرے لگا رہا تھا۔

"مادرِ وطن!"

"زندہ باد ——!!"

"نیا کشمیر!"

"پائندہ باد ——!!"

اس قافلہ کی رہنمائی نریندر کر رہا تھا۔

فیروز کی آنکھیں چمک اُٹھیں —— جیپ سے کُود کر اس نے نریندر کو سینے سے لگا لیا۔ دونوں دوست جی بھر کے روئے۔ کس پہ کیا بیتی، یہ کسی نے بھی نہ پوچھا۔ جب دلوں کا غبار قدرے ہلکا ہوا تو فیروز نے مختصر الفاظ میں نریندر کو بتا دیا کہ وہ کہاں، کیوں اور کس مورچہ پہ جا رہے ہیں۔

وقت کم تھا —— اور منزل دُور!

فیروز نے نریندر کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اپنے قافلہ کی کمان فیروز نے ایک دوسرے نوجوان کو سونپ دی۔ اور جیپ تیزی سے جیل کوٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

جب وہ وہاں پہنچے تو عظیم کی گرجدار آواز سُنائی دے رہی تھی۔

"مجھ سے دھوکا ہوا ہے۔ خدا نے مجھے اس غار کے بھیانک اندھیرے میں بھی گناہِ کبیرہ سے بچا لیا۔ اس لڑکی کی سسکیوں کی آواز سے ہی میں نے پہچان لیا کہ وہ میری بہن ہے —— اگر وہ مجھے دیکھ لیتی تو میں روسیاہ کہلاتا۔ یہ سب کچھ کیونکر ہو گیا سردار —— یہ کس نے سازش کی ہے؟ میں اُسے قتل کر دوں گا۔

عظیم کے قہر سے شاید وُہ واقف نہیں "

" یہ سازش بیلنے کی ہے ! ـــــ تمھارا قہر مجھ پہ ٹوٹے تو میں جانوں ؟ ـــــ تم میری بہن مجھے پیش کر سکتے ہو تو میں بھی تمھاری بہن کے ساتھ وہی سلوک کر سکتا ہوں ـــــ ! "

" تم ... تم ... کہہ کیا رہے ہو سردار ؟ ـــــ وہ لڑکی کوبیتا ..... تمھاری بہن .... تمھاری بہن !! "

عظیم ہڑبڑا گیا تھا - وہ اپنی بندوق ٹٹول رہا تھا ، جو شاید غار میں جانے سے پہلے وُہ باہر رکھ گیا تھا -

لیکن بندوق اب وہاں نہیں تھی -

" ہاں ـــــ وُہ میری بہن ہے ـــــ ! " اور سردار نے اپنی داڑھی نوچ کر پرے پھینک دی -

" راکیش تم ـــــ ! " عظیم کے چہرے پہ ہوائیاں سی اُڑنے لگیں -

" ہاں میں ـــــ پہچان لو اچھی طرح سے ـــــ میں کوبیتا کا بھائی ہوں ـــــ کوثر کا بھائی ہوں ـــــ کشمیر کی ہر عورت میری ماں ہے ، بہن ہے ـــــ تمھاری نظروں میں مَیں آوارہ ہوں ، ناکارہ ہوں ـــــ لیکن تمھاری طرح وطن فروش ، غدّار اور غنڈہ نہیں ! "

نریندر بھونچکا سا راکیش کی طرف دیکھ رہا تھا - فیروز کے چہرے پہ مُسکراہٹ تھی ، اور غلام حسین و لال خاں کے چہرہ پہ فتح و کامرانی کی چمک !

عظیم دائیں بائیں دیکھنے لگا تو نریندر نے بندوق کی نالی اُس کے سینے پہ رکھ دی - اور غرا کر بولا -

" بھاگنے کی کوشش کی تو گولی سینے کے پار ہوگی ! "

اور ایک نعرہ گونجا " نیا کشمیر! زندہ باد!! "

رام بن کے بہادر نوجوان رابعہ کی سرکردگی میں بڑھے چلے آ رہے تھے عظیم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا —— قبل اس کے کہ عظیم سنبھلے ، رابعہ نے گولی داغ دی —— ایک آواز گونجی —— ایک چیخ اُبھری —— اور عظیم ڈھیر ہو کر وہیں گر پڑا۔

دوسری گولی کی آواز سے سب چونک پڑے - رابعہ نے خودکشی کر لی تھی - خون میں لت پت لڑکھڑاتے قدموں سے وہ آگے بڑھی اور فیروز کے قدموں میں گر کر بولی "میرا مر جانا ہی اچھا ہے سرتاج! شاید مر کر میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکے ایک خواہش تھی ، ایک جذبہ تھا ، لیکن ..... لیکن .....!" اور رابعہ کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی -

اِدھر کونتا اپنے بھائی کی لاش سے چمٹ کر زار زار رو رہی تھی - آج خون کا رشتہ بول رہا تھا کس نے گناہ کیا ، کون بے گناہ ہے ، کس نے سزا دی ، کس نے سزا پائی ، ان سب باتوں سے بے خبر آج دو بہن بھائی آپس میں گلے مل رہے تھے ، بہن کے پاک و پوتر آنسوؤں نے بھائی کے تمام گناہ دھو دیئے تھے -

رام بن کا قافلہ بھی اَب جیل کوٹ کی غار کے عین پاس آگیا تھا ، گھوڑے پر بیٹھی ہوئی کویتا قدرے ہوش میں تھی -

اپنے سامنے فیروز کو کھڑا دیکھ کر کویتا کی آنکھیں چمک اُٹھیں ، وہ گھوڑے سے چھلانگ لگا کر نریندر کی طرف لپکی اور بے اختیار اس سے چمٹ گئی -

"بھیّا!"

آنسو اُس کی آنکھوں سے رواں دواں تھے -

نریندر کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں -

"پگلی ۔۔۔ !" راکیش نے اُس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔
جل تھل آنکھوں سے کویتا نے راکیش کی طرف دیکھا اور اس کے قدموں میں گر پڑی۔

"اُٹھ جا پگلی ۔۔۔ تُو تو بہت بہادر لڑکی ہے دیکھ کوثر تجھے بلا رہی ہے"
راکیش کی آواز بھرّا گئی۔ آنسوؤں کو وہ بمشکل تمام ضبط کر سکا۔

اور پھر کویتا نے نگاہیں گھما کر دیکھا، فیروزا اس کے سامنے کھڑا تھا، جس دیوتا کو دیکھ کر وہ گھوڑے سے کُود دی تھی، اُس کی پرستش اس نے سب سے بعد میں کی۔ لیکن اس مرتبہ پُوجا کے پھُول اپنے دیوتا پر چڑھانے کا انداز نیا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ایک عجیب سا نور اس کے چہرے پر چمک رہا تھا۔ پھڑ پھڑاتے ہوئے اس کے ہونٹ نہ معلوم کیا کہنا چاہتے تھے۔

کوثر کی سسکیوں کی آواز سُن کر کویتا نے اپنی آنکھیں کھولیں، اُسے اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا ۔۔۔ اپنے آنچل سے اُس کے آنسو پونچھے، اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔

"صبر سے کام لو کوثر بہن!"

"تمہارا ایک بھائی مرا ہے بہن، ہم سمجھتے ہیں ہماری ہزاروں بہنیں زندہ ہیں!" لال خاں نے کوثر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"غنڈوں نے ہمارے سامنے ہماری بہنوں کو قتل کر دیا۔ اُسی دن ہم نے تہیہ کر لیا کہ مر جائیں گے یا اپنی بہن کے خون کا بدلہ لیں گے ۔۔۔ اِن آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا ہے ..... بربریت اور وحشت کے نظارے ابھی تک آنکھوں کے سامنے رقص کر رہے ہیں۔ آج سے تم ہی ہماری بہن ہو!"

رام بن کے بہادروں نے خوشی سے نعرے لگائے ۔ اور وہ واپس جانے کے لئے مُڑے تو فیروز نے بابا سے کہا ۔ " گھر جاکر بسنتی کا بیاہ کر دینا بابا ۔۔۔!" اور نوجوان نے فیروز کی طرف دیکھ کر گردن جھکالی ۔ بابا نے نوجوان کی طرف دیکھا اور کہا ۔

" بسنتی کے لئے میں نے یہی بَر ڈھونڈا تھا ، لیکن سرپنچ اپنے لڑکے کی شادی کرنا چاہتا تھا ۔"

رام بن کا قافلہ واپس چلا گیا تو یہ سب جیپ میں بیٹھ کر آگے بڑھے ، اس بار نریندر گاڑی چلا رہا تھا ، اور اس کے برابر کویتا اور کوثر بیٹھی تھیں پچھلی نشست پر غلام حسین ، لال خاں ، راکیش اور فیروز بیٹھے تھے ۔

نریندر کہنے لگا ۔

" یہ سارا علاقہ میرا جانا پہچانا ہے ۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر میں یہاں تک پہنچا تھا ۔ یہ علاقہ قبائلیوں کی دسترس سے باہر تھا ۔ ان لوگوں کے دلوں میں قبائلیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا ، کشمیر کی حفاظت کے فرض کا احساس دلایا اور انھیں باقاعدہ منظّم کیا ۔۔۔ پہلے ہی حملہ میں قبائلی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے ۔"

اگلے ہی گاؤں میں اُنھیں پتہ لگ گیا کہ لُٹیرے بھاگ گئے ہیں ۔۔۔ اور ہندوستانی فوج نے کشمیر میں امن وامان بحال کر دیا ہے ۔۔۔ اور زندگی معمول پہ آتی جا رہی ہے ۔

راستے میں غلام حسین اور لال خاں اُتر گئے ۔ تو راکیش نے پوچھا ۔

"اپنے سردار کو بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گے ؟"

" نام میں کیا رکھا ہے سردار ۔۔!" غلام حسین ہنس کر بولا ۔" یہ نام اور مذہب

کی تفریق ہی نفاق کی جڑ ہے ۔ سمجھو میں غلام حسین ہوں اور یہ لال خاں!"

"اور سردار، جب تم یہ نہیں بتاتے، کہ تم نے ہماری سرداری کیسے حاصل کی؟" لال خاں بولا" اور کیسے قبائلیوں کو دھوکا دیا، تو ہم کیوں بتائیں، کہ ہمارا نام کیا ہے؟"

"کہاں جاؤ گے؟ ــ کیا کرو گے؟؟"

"نیچے ہندوستان میں اپنے گاؤں چلے جائیں گے! ــ کاشت کریں گے!! وہاں آباؤ اجداد کی زمین پڑی ہے۔" وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے، تو فیروز نے دیکھا راکیش کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

تمام شد

پائل

جن دنوں یہ ناول "تیج" میں شائع ہو رہا تھا، مصنف کو کئی خطوط ملے جن میں دریافت کیا گیا تھا کہ کمدنی کون ہے؟ کیا یہ حقیقی نام ہے؟ اور کیا وہ اب بھی زندہ ہے؟ کئی اصحاب نے ایک یا دوسری ایکٹریس کا نام لکھکر دریافت کیا کہ کمدنی اسی کا نام تو نہیں؟ میری رائے میں یہ سوال ایسے نہیں جن پر ناظرین کو اس قدر تجسس ہو کمدنی کون ہے؟ اب بھی زندہ ہے یا نہیں؟ اور زندہ ہے تو کہاں ہے؟ یہ جاننا چنداں ضروری نہیں۔ اگر یہ ناول پڑھنے کے بعد آپ محسوس کریں کہ فلمی دنیا میں ایسا کوئی واقعہ ہوا تھا تو ناول لکھنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ کمدنی کون ہے؟ اسے پردۂ راز میں ہی رہنے دیجئے۔ جمنا داس اختر کی بہترین تصنیف "پائل" بہترین کتابت وطباعت، عمدہ سفید کاغذ۔ خوبصورت۔ اور دیدہ زیب گردپوش۔ قیمت ۴ روپے ۷۵ نئے پیسے

جنتا پبلشرز۔ ۱۶/۳۹ گورنمنٹ کوارٹرس کشن گنج دہلی

سنیاسی اور سندری

ایک تارک الدنیا سنیاسی کی کہانی جو

○ قدرت کی حسین ترین تخلیق کے زاہد فریب نظارہ کی تاب نہ لا سکا۔
○○ جنّت کا نظارہ اور حسن کی کشش
○○○ خدا حسُن اور حسُن خدا
○○○○ گناہ اور ثواب کی ایک انوکھی اور نرالی تمثیل

ہندی کے ہونہار اور مقبول عام مصنّف شری یادویندر شرما "چندر" کا اردو ادب کو گراں بہا عطیہ۔ جس کا ترجمہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اردو کے قالب میں ڈھالنے والے جناب بسنت کمار چیڑجی جرنلسٹ ہیں۔ مطالعہ کرکے دیکھیے کہ مصنّف اور مترجم نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ یہ گرانمایہ پیش کش کی ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت، بہترین سفید کاغذ، خوبصورت اور دیدہ زیب گرد پوش۔ قیمت صرف تین روپے۔

ملکاؤں کے رُومان

محبت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کی گردنیں حُسن کے دربار میں پہنچ کر فرطِ احترام سے خم ہو جاتی ہیں۔ یہ کتاب دُنیا کی ان بڑی بڑی عورتوں کے افسانہ ہائے محبت کا مجموعہ ہے جن کا ذکر تاریخ میں موجود ہے۔ ان داستانوں کو رنگین بنانے کے لئے مصنف نے بعض جگہ تاریخی حقائق سے گریز کیا ہے۔ لیکن بلاشبہ راجہ مہدی علی خاں کا قلم صفحۂ قرطاس پہ پھول بکھیرتا ہوا چلتا ہے۔ قیمت تین روپے ۲۵ نئے پیسے۔

اِطّلاع

ہماری پاکٹ بکس براہِ راست نہ منگانے کی صورت میں کسی بھی دکاندار یا ایجنٹ سے منگا سکتے ہیں اور اپنے شہر کے لوکل ڈیلر سے خرید سکتے ہیں۔ یہ ادارہ اعلیٰ پایہ کی کتاب ہر ماہ شائع کرتا ہے اگر کوئی شکایت ہو تو ہمیں لکھیں۔

جنتا پبلشرز۔ ۳۹/۱۶ گورنمنٹ کوارٹر۔ کشن گنج۔ دہلی